www.urducouncil.nic.in

نومبر 2026 ، قیمت :- 15 ₹

ماھنامہ

# بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi



قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

# ماہنامہ اُردو دُنیا

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi



اس رسالے میں علم و ادب، تاریخ، تہذیب، صحافت، سائنس، سماجیات، تراجم سے متعلق اہم مضامین اور نئی کتابوں پر تبصرے شامل کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کونسل کی سرگرمی اور دنیائے علم و ادب اور تہذیب و ثقافت سے متعلق 'خبر نامہ' بھی پیش کیا جاتا ہے۔

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

# سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش



اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ۔ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہم سے رابطہ کیجیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

# بچوں کی دنیا

نئی دہلی

جلد: 14 شمارہ: 11 نومبر 2026

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

مدیر منتظم : ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی

نائب مدیر : نہاں

معاون مدیر : ڈاکٹر فیضان الحق

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ تعلیم۔محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،

جسولہ، نئی دہلی-110025

فون: 011-35151992

شعبہ ادارت: 011-35152009

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in

editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65، نوئیڈا۔201301 (یوپی)

قیمت:-/15 روپے، سالانہ:-/145 روپے

قلمکاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل

اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم

نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746

ای میل: sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1، پتھرگٹی، حیدرآباد-500002

فون: 040-24415194


## اس شمارے میں






| | | |
|---|---|---|
| اداریہ | مدیر | 04 |
| ڈاک خانہ | قارئین | 05 |
| | **مضامین** | |
| بچوں کی حسین دنیا: بچپن | زکی انور انصاری | 07 |
| برڈ مین آف انڈیا | محمد قمر سلیم | 11 |
| مولانا آزاد اور بچوں کی تعلیم | محمد ظہیر | 15 |
| | **نظمیں** | |
| ابوالکلام آزاد | عبدالرزاق دل کھولاپوری | 18 |
| بیٹیاں | احمد وکیل علیمی | 19 |
| پیڑ لگاؤ | مجیب شہزر | 20 |
| انعام | امان الحق بالاپوری | 21 |
| نرالا مرغا | انور آفاقی | 22 |
| پھلجھڑی | فہیم احمد | 23 |
| دیوالی پر ماہیے | کلیم نوری فیروزآبادی | 24 |
| ٹیلی ویژن | فوزیہ اختر ازکی | 25 |
| نعمت خانہ | رضوان مرزا | 26 |
| | **کہانیاں** | |
| بنسی، بے بی بندر اور بکری | سلیم خان | 27 |
| سارہ | زیب النساء | 30 |
| امیدوں کا چراغ | حبیب سیفی | 32 |
| گرمی کی چھٹیوں کے دو رنگ | افزا خاتون | 34 |
| بزرگوں کی خدمت | یاسمین اچلپور | 37 |
| چراغ | انور ہادی جنیدی | 40 |
| | **باتصویر کہانی** | |
| ایک سچ مچ کے راجکمار کی کہانی (قسط 2) | ذکیہ مشہدی | 43 |
| | **سیر و سیاحت** | |
| کشمیر میں ریل | شاہ فیصل جان | 49 |
| | **سائنس** | |
| انسان اور پرندے | شادان پرویز | 52 |
| | **کھیل/کھلاڑی** | |
| فٹ بال: عالمی کپ 2026 | عبیر الٰہی | 55 |
| | **تعارف و تبصرہ** | |
| پھول والوں کی سیر | انیس اعظمی/راحیل پروین | 57 |
| | **جنرل نالج** | |
| تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات | ادارہ | 59 |
| | **کہکشاں** | |
| چمن چمن کے پھول | | 60 |
| | **ننھے فنکار** | |
| پینٹنگ | | 61 |

# نئی روشنی



پیارے بچو! نومبر کا شمارہ حاضر ہے۔ یہ مہینہ اس لحاظ سے بہت خاص ہے کہ 14 نومبر کو ہمارے ملک ہندوستان میں یوم اطفال منایا جاتا ہے۔ اسی تاریخ کو ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو پیدا ہوئے تھے۔ وہ بچوں سے بہت پیار کرتے تھے، بچے انھیں پیار سے 'چاچا نہرو' کہتے تھے۔ اس دن کو یادگار بنانے کے لیے اسکولوں میں مختلف تقریبیں منعقد کی جاتی ہیں، جن میں بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی ضرورتوں کے بارے میں قانون کے ذریعے حاصل ہونے والی رعایتوں پر بات کی جاتی ہے۔

بچو! آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ یوم اطفال دنیا کے کئی ممالک میں مختلف تاریخوں میں منایا جاتا ہے، جیسے جنوری کے دوسرے سنیچر کو تھائی لینڈ میں، 13 فروری کو میانمار میں، 17 مارچ کو بنگلہ دیش میں، 4 اپریل کو تائیوان میں وغیرہ وغیرہ، اسی طرح امریکہ میں جون کے دوسرے اتوار کو، ایران میں 18 اکتوبر کو اور کونگو میں 25 دسمبر کو یہ دن مناتے ہیں۔ 1 جون اس اعتبار سے بہت خاص ہے کہ اس تاریخ کو 48 ممالک میں بچوں کے دن کے طور پر جشن منایا جاتا ہے۔ ان ممالک میں یمن، البانیہ، بیلاروس، آزربائیجان، چائنا، ہانگ کانگ، پرتگال، رومانیہ، روس، تاجکستان وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں، حالانکہ سعودی عرب، کناڈا، امریکہ، اسپین سمیت دنیا کے مختلف ممالک 20 نومبر کو بچوں کے عالمی دن کے طور پر مناتے ہیں۔ پوری دنیا میں بچوں کا عالمی دن منانے کا مقصد بچوں پر ہونے والے ظلم و تشدد کا خاتمہ، ان کی بہترین تعلیم و تربیت کا اہتمام، ان کی اچھی صحت کا خیال اور بچوں سے محنت طلب کاموں کی روک تھام ہے۔

نومبر کا مہینہ ہندوستان کے لیے کئی معنوں میں بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اسی مہینے میں سائنسداں اور نوبل انعام یافتہ سی وی رمن، مولانا ابوالکلام آزاد، سابق وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی، مشہور سائنس داں جگدیش چندر بوس، تاریخ داں رومیلا تھاپر کی پیدائش ہوئی ہے۔ ان شخصیات نے ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں بہت وقیع اور نمایاں کردار ادا کیا ہے، یہاں مولانا ابوالکلام آزاد کا تذکرہ بطور خاص اس لیے کیا جارہا ہے کہ وہ 'آزاد بھارت' کے پہلے وزیر تعلیم بنے۔ مولانا دور اندیش اور زمین سے جڑے ہوئے انسان تھے، دوران وزارت انھوں نے کئی اہم کام کیے۔ بچوں کی تعلیم پر مولانا آزاد کا خاص دھیان تھا۔ ان کی نظر میں تعلیم ہر بچے کا بنیادی حق ہے خواہ وہ کسی بھی طبقے کا ہو۔ انھوں نے بچوں میں سائنسی شعور پیدا کرنے کے لیے کئی اہم قدم اٹھائے۔

بچو! موجودہ حکومت بھی بہتر تعلیم کے لیے کوشاں ہے۔ بچوں کو اسکول تک لے جانے کے لیے مختلف طریقے اپنائے جارہے ہیں۔ ہمارے ہردلعزیز وزیر اعظم عزت مآب شری نریندر مودی کی قیادت میں NEP-2020 کا نفاذ تعلیم کی بہتری کی جانب مضبوط قدم ہے۔ اس پالیسی میں مادری زبان کو خاص اہمیت دی گئی ہے کیونکہ مادری زبان میں تعلیم کا حصول ایک بنیادی اور کارگر نسخہ ہے۔

نومبر کے شمارے میں اس ماہ کی مناسبت سے کچھ تحریریں شامل کی جارہی ہیں۔ ان کے علاوہ 'برڈ مین آف انڈیا' سالم علی، کشمیر میں ریل، انسان اور پرندے، فٹ بال: عالمی کپ 2026 جیسی تحریریں بھی شامل ہیں۔

آپ کا

شمس اقبال

# ڈاک خانہ



ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اکتوبر کا شمارہ موصول ہوا۔ سرورق پر گاندھی جی کی تصویر اور بچوں کے ساتھ چرخہ چلاتے دیکھ کر ان کا پورا وجود سامنے آ گیا۔ گاندھی جی کا حوصلہ، ان کی بلند سوچ اور دیش کے تئیں سمرپن کا جذبہ آج کے نوجوانوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ انھوں نے اپنے دیش کو سامراجی طاقتوں سے آزاد کرانے میں جو کردار ادا کیا، اس قربانی کو ہندوستان کے ساتھ دیگر ممالک میں بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اکتوبر کے شمارے میں باضابطہ گاندھی جی پر کوئی گوشہ تو شامل نہیں ہے مگر محمد انیس الرحمٰن کا مضمون جب 'باپو ہمارے اسکول آئے' اتنا عمدہ مضمون ہے کہ اس سے گوشے کی بھرپائی ہوجاتی ہے۔ اس کے علاوہ اداریہ بھی گاندھی جی پر مرکوز ہے، جس میں گاندھی جی کی شخصیت اور دیش کے تعلق سے ان کی قربانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس شمارے کا پہلا کالم مضامین کا ہے جس میں متین اچل پوری کے ننھے منے گیت (حسین قریشی)، عالمی یوم سیاحت (وسیم سعید)، اچھے دوست کی خوبیاں (سینان بیلسیری) بہت اچھے مضامین ہیں۔ نظموں کا کالم بھی اچھا ہوگیا ہے۔ اس میں اکتوبر کے مختلف رنگ (انصار احمد معروفی)، لوریاں (راحت مظاہری)، ماں کی آنکھ کے تارے بچے (عاکف سنبھلی)، آج خوشی کا دن پھر آیا (خان حسنین عاقب)، صبح (شمس النسا کرن)، میرا پیارا گدھا (معزالدین ماجد)، جنت ہے ماں (نظیر راہی)، نیا چھاتا (احسان انور) جیسی نظمیں شامل شمارہ ہیں۔ ہمیشہ کی طرح اس شمارے کی بھی کہانیاں بہت عمدہ ہیں جس میں سینئر کہانی کار نذیر فتح پوری کی کہانی 'ایک کہانی لالو کی' شامل ہے۔ اس کے علاوہ نو پالی تھین (مبین نذیر)، سونے کے ٹکڑے کا لالچ (ندا احمد)، حسین اور چیل (محمد رہبر عالم)، مضبوط حوصلہ (دانش اکولوی) شامل ہیں۔ ان کے علاوہ پروفیسر بیربل ساہنی، کامن ویلتھ گیمز 2026 جیسے مضامین بھی شامل کیے گئے ہیں جو بے حد دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ باتصویر کہانی اور تبصرے میں 'میں ہوں انڈیا گیٹ' بھی اس شمارے کے خاص کالم ہیں، جسے بے حد پسند کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زبان شناسی، جنرل نالج اور ننھے فنکار ہمیشہ سے بچوں کے پسندیدہ کالم رہے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ یادگار شمارہ بن گیا ہے۔

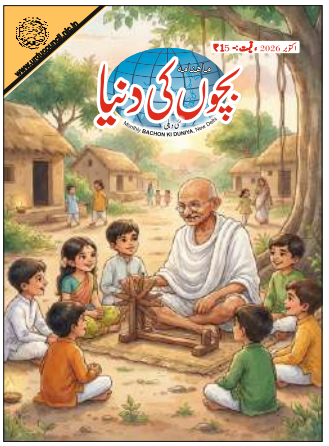


محمد حمدان، غفار منزل، نئی دہلی

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' اگست 2026 کا مطالعہ آن لائن کیا۔ مجھے اس شمارے کا اداریہ بے حد پسند آیا۔ مدیر صاحب

لکھتے ہیں ”آزادی حق نہیں بلکہ ایک ذمہ داری ہے، ایک اچھا شہری ہونے کے ناطے ہمارا فرض ہے کہ ہم قانون کا احترام کریں، ایمانداری، محنت اور نظم وضبط کو اپنائیں، تعلیم حاصل کریں، ماحول کی حفاظت کریں اور ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کریں۔ آج محنت کریں تو مستقبل درخشاں ہوگا۔ طلبہ کے لیے یہ اچھا پیغام ہے۔ سرورق پر بچے ہاتھوں میں ترنگا لے کر خوش ہیں، کہ آج ان کی یوم عید ہے۔ واقعی آزادی ہر ہندستانی کے لیے عید کے ہی مانند ہے۔

اس شمارے میں جشن آزادی کے تحت ہم آزاد وطن کے بچے (شبنم کمالی)، قومی ترانہ (سید محمد ابراہیم فکری)، تحریک آزادی کے رہنما (عادل حیات)، یوم آزادی: قربانی، جدوجہد، اتحاد (فہیم اشرف)، یوم آزادی (محمد سلمان)، آزادی (فردوس بانو) جیسی تحریریں شامل ہیں۔ اس گوشے میں آزادی کے تعلق سے جو معلومات فراہم کرائی گئی ہیں اسے بچوں کو یاد رکھنا چاہیے، ان کے لیے مستقبل میں کام آنے والی معلومات ہیں۔

تعلیم وتربیت کے تحت بچوں کی ذہنی نشو ونما میں گھر اور اسکول کا باہمی کردار (احسان عالم) بہت اچھا ہے کہ آج کل والدین بچوں کو اسکول میں داخلہ دلا کر بے فکر ہوجاتے ہیں، پہلے زمانے میں باپ اسکول سے آنے کے بعد بچوں کی تعلیم اور اخلاق پر پوری توجہ دیتے تھے۔ رضوانہ سید نے بچوں کی تربیت میں دادا دادی اور نانا نانی کے کردار کو موثر انداز سے پیش کیا ہے، اب ایسی تربیت گھروں میں کہاں باقی ہے، بچے سیل فون پر اپنی زندگی گزار رہے ہیں، اب تربیت کا یہ پہلو گم ہوگیا ہے۔

نظموں کا کالم بھی بہت خوب ہے۔

کہانیوں کے تحت ادھورا چاند (پرویز مانوس) اور بارش آئی چھم چھم چھم (شاہ تاج خان) شامل ہیں۔ دونوں کہانیاں بہت دلچسپ اور معلوماتی ہیں۔ خاص طور پر 'ادھورا چاند' آج کے بچوں کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ باتصویر کہانی کے تحت انوکھا شکاری (شمس الاسلام فاروقی) اور سائنس کے تحت پرندوں کی خصوصیات (اطہر پرویز)، صحت کے تحت آٹزم (عبدالرحمٰن شافی) دلچسپ مضامین ہیں۔ دونوں ہی مضامین اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت عمدہ ہیں۔ 'پرندوں کی خصوصیات' پرندوں سے شوق رکھنے والے اس مضمون کا ضرور مطالعہ کریں۔ آٹزم موجودہ دور کا ایک حساس موضوع ہے۔ اس بارے میں لوگوں کی واقفیت بہت کم ہے۔ معلومات میں اضافے کے لیے اس مضمون کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ IPL 2026 (عمران احمد)، تعارف وتبصرہ کے تحت کائیں کائیں (مشتاق احمد نوری/ محمد نعمان) مطالعہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنرل نالج، پینٹنگ، ننھے فنکار اس رسالے کے پسندیدہ کالم ہیں، انھیں ہمیشہ برقرار رکھیں۔ اساتذہ کو چاہیے کہ اپنے اپنے اسکولوں میں اس رسالے کو منگائیں اور بچوں کو اسے پڑھنے کے لیے مہیا کرائیں۔

ڈاکٹر محمد ناظم علی، سابق پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، موڑتاڑو
اکیڈمک سینٹ ممبر، تلنگانہ یونیورسٹی، حیدرآباد، تلنگانہ



میں ہر ماہ پابندی سے رسالہ 'بچوں کی دنیا' کا مطالعہ کرتا ہوں۔ مئی 2026 سرورق کے ساتھ تمام مضامین، کہانیاں اور نظمیں قابل تعریف ہیں۔ اس رسالہ میں لکھنے والے تمام قلمکار لائق ستائش ہیں۔ دعا کرتا ہوں کہ یہ رسالہ پھولوں کی خوشبو سے مہکے... اور چاند ستاروں کی طرح چمکے۔ تمام اسٹاف اور ایڈیٹر صاحب کو اس رسالے کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

محراج الدین، سلّر، کشمیر

# بچوں کی حسین دنیا
# بچپن





زکی انور انصاری

**بچوں کی** دنیا ایک ایسی دنیا ہے جس میں زندگی کے سب سے خوبصورت رنگ بکھرے ہوتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی خوشیاں بڑے بڑے جشن بن جاتی ہیں، ایک معمولی سا کھلونا قیمتی خزانے کا روپ دھار لیتا ہے اور محبت کا ایک چھوٹا سا لمس پورے دن کو روشن کر دیتا ہے۔ بچے جب ہنستے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا کی ساری اداسی چند لمحوں کے لیے کہیں دور چلی گئی ہو۔ ان کے معصوم چہروں پر پھیلی مسکراہٹ میں نہ کوئی مطلب ہوتا ہے، نہ کوئی غرض؛ وہ صرف دل کی سچائی ہوتی ہے۔

بچپن زندگی کا وہ دور ہے جو انسان کو پوری زندگی یاد رہتا ہے۔ عمر کتنی ہی بڑھ جائے، انسان کتنا ہی بڑا کیوں نہ بن جائے، بچپن کی گلیاں، اسکول کا صحن، دوستوں کے ساتھ کھیل، ماں کی ڈانٹ، باپ کی شفقت اور چھوٹی چھوٹی شرارتیں دل کے کسی کونے میں ہمیشہ زندہ رہتی ہیں۔ کبھی اچانک کسی بچے کو کھیلتے دیکھ کر اپنا بچپن یاد آتا ہے تو دل عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کے سامنے وہ دن آ جاتے ہیں جو وقت کی کتاب میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں، مگر دل آج بھی انھیں اپنے قریب محسوس کرتا ہے۔

بچے دنیا کو اپنی معصوم نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ انھیں دولت اور غربت کا فرق اتنا معلوم نہیں ہوتا جتنا بڑوں کو ہوتا ہے۔ ایک بچہ دوسرے بچے کے ساتھ چند لمحوں میں دوستی کر لیتا ہے۔ نہ ذات پوچھتا ہے، نہ مذہب، نہ زبان، نہ لباس۔ ایک کھلونا سامنے آیا اور دو بچے دوست بن گئے۔ یہی بچوں کی دنیا کی سب سے بڑی خوبصورتی ہے کہ ان کے دل نفرت کے بوجھ سے آزاد ہوتے ہیں۔ اگر انسان اپنی زندگی میں بچوں جیسی معصومیت برقرار رکھ سکے تو شاید دنیا بہت زیادہ خوبصورت ہو جائے۔

ماں بچے کے لیے دنیا کی پہلی محبت ہوتی ہے۔ اس کی گود میں بچے کو وہ سکون ملتا ہے جو دنیا کی کسی دولت سے نہیں خریدا جا سکتا۔ بچہ جب ڈرتا ہے تو ماں کو پکڑ لیتا

ہے، جب روتا ہے تو ماں کی آواز اسے خاموش کر دیتی ہے، جب بیمار ہوتا ہے تو ماں کی بے قراری گھر کی فضا بدل دیتی ہے۔ ماں کی انگلی پکڑ کر چلنے والا بچہ شاید نہیں جانتا کہ اس انگلی کے پیچھے کتنی دعائیں، کتنی قربانیاں اور کتنی راتوں کی جاگتی ہوئی آنکھیں موجود ہیں۔

باپ بھی بچے کی دنیا کا ایک مضبوط ستون ہوتا ہے۔ بچے کے لیے وہ صرف کمانے والا شخص نہیں بلکہ حفاظت، اعتماد اور حوصلے کا نام ہے۔ وہ جب اپنے ننھے ہاتھ سے باپ کی انگلی پکڑتا ہے تو اسے دنیا کی طاقت اپنے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ باپ کی معمولی سی تعریف بچے کے دل میں خود اعتمادی پیدا کر دیتی ہے۔ کبھی باپ کا ایک جملہ بچے کو پوری زندگی کے لیے حوصلہ دے دیتا ہے، اور کبھی باپ کی سختی بھی برسوں بعد محبت کی شکل میں یاد آتی ہے۔

بچوں کی دنیا میں کھیل کی بڑی اہمیت ہے۔ گیند، پتنگ، سائیکل، گڑیا، کھلونا گاڑی یا کاغذ کی کشتی — یہ سب ان کے لیے صرف چیزیں نہیں ہوتیں بلکہ ان کے خوابوں کا حصہ ہوتی ہیں۔ بارش کے بعد گلی میں جمع پانی میں کاغذ کی کشتی چلانا، گرمی کی شام میں دوستوں کے ساتھ کھیلنا، سردیوں کی دھوپ میں بیٹھ کر ہنسنا اور معمولی سی شرارت پر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانا، یہ سب بچپن کی ایسی یادیں ہیں جو عمر بھر دل کو خوش رکھتی ہیں۔

بچوں کی تخیل کی دنیا بھی بہت وسیع ہوتی ہے۔ ایک عام سا لکڑی کا ڈبہ ان کے لیے گاڑی بن سکتا ہے، ایک چادر محل بن سکتی ہے اور ایک چھوٹی سی چھڑی جادو کی چھڑی۔ وہ بادلوں میں محل دیکھتے ہیں، ستاروں سے باتیں کرتے ہیں اور چاند کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ بڑوں کو ان کی یہ باتیں شاید عجیب لگیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ تخیل ہی انسان کے بڑے خوابوں کی پہلی سیڑھی ہے۔ جس بچے کو خواب دیکھنے دیا جائے، ممکن ہے وہی کل دنیا کو کوئی نیا خواب دے۔

اسکول بھی بچوں کی دنیا کا ایک اہم حصہ ہے۔ کتابوں کا بستہ، نئی کاپیوں کی خوشبو، استاد کی آواز، دوستوں کی شرارتیں، وقفے کی گھنٹی اور چھٹی کے وقت گھر جانے کی بے قراری — یہ سب بچپن کی حسین یادوں میں شامل ہوتے ہیں۔ اسکول صرف پڑھنے کی جگہ نہیں بلکہ شخصیت سازی کا مرکز بھی ہے۔ وہاں بچہ دوستی کے ساتھ نظم و ضبط بھی سیکھتا ہے، دوسروں کا احترام کرنے کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو پہچانتا بھی ہے۔

ایک اچھا استاد بچے کی زندگی بدل سکتا ہے۔ کبھی استاد کی طرف سے کہے گئے چند حوصلہ افزا الفاظ ایک کمزور طالب علم کے اندر چھپی ہوئی صلاحیت کو جگا دیتے ہیں۔ بچے کو صرف یہ بتانا کافی نہیں کہ وہ غلط ہے؛ اسے یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ وہ صحیح راستہ کیسے اختیار کرے۔ استاد اگر بچے کی عزت کرے، اس کی بات سنے اور اس کے خوابوں کو سمجھنے کی کوشش کرے تو بچہ علم کو بوجھ نہیں بلکہ خوشی سمجھنے لگتا ہے۔

لیکن ہر بچے کو خوشحال بچپن نصیب نہیں ہوتا۔ دنیا میں ایسے بے شمار بچے ہیں جن کے ہاتھوں میں کھلونوں کے بجائے مزدوری کے اوزار ہیں۔ کچھ بچے اسکول جانے کی عمر میں ہوٹلوں، دکانوں اور کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔ کچھ بچے سڑکوں پر چیزیں بیچتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے چہروں پر عمر سے پہلے آنے والی تھکن دل کو اندر تک ہلا دیتی ہے۔ جب ہم کسی بچے کو اپنے ہم عمر بچوں میں

کھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں اور خود محنت کرتے دیکھتے ہیں تو ہمیں ضرور سوچنا چاہیے کہ آخر اس کے بچپن کا قصور کیا تھا؟

غربت بچوں سے ان کا بچپن چھین لیتی ہے۔ ایک غریب بچہ شاید کھلونے کی خواہش بھی دل میں دبا لیتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں روٹی کی ضرورت زیادہ اہم ہے۔ کبھی وہ اپنے اسکول کے ساتھی کو نئی کتابیں اور خوبصورت لباس پہنے دیکھتا ہے اور خاموشی سے اپنے پرانے کپڑوں کو دیکھ لیتا ہے۔ اس خاموشی میں ایک پوری داستان چھپی ہوتی ہے۔ معاشرے کی اصل ذمہ داری یہی ہے کہ کسی بچے کو صرف اس لیے پیچھے نہ رہنے دیا جائے کہ اس کے گھر میں وسائل کم ہیں۔

آج کے دور میں بچوں کی دنیا ٹیکنالوجی سے بھی بدل گئی ہے۔ موبائل فون، انٹرنیٹ، ویڈیو گیمز اور سوشل میڈیا نے بچوں کے کھیلنے اور سیکھنے کے انداز کو تبدیل کر دیا ہے۔ ٹیکنالوجی اگر صحیح طریقے سے استعمال ہو تو علم کا بہت بڑا ذریعہ ہے، لیکن ضرورت سے زیادہ استعمال بچے کو حقیقی دنیا سے دور بھی کر سکتا ہے۔ وہ میدان کی مٹی، دوستوں کی صحبت، کتاب کے صفحات اور خاندان کے ساتھ بیٹھنے کی خوشی بھول سکتا ہے۔ ہمیں بچوں کو ٹیکنالوجی سے دور نہیں بلکہ اس کا متوازن اور ذمہ دارانہ استعمال سکھانا چاہیے۔

آج کے والدین کے پاس بچوں کے لیے سہولتیں تو بہت ہیں، مگر وقت کم ہوتا جا رہا ہے۔ کبھی کبھی بچہ مہنگے کھلونے کے درمیان بیٹھا ہوتا ہے مگر اسے ماں باپ کے چند لمحوں کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کوئی اس کی بات سنے، اس کے سوال کا جواب دے، اس کے ساتھ ہنسے اور اس کے چھوٹے سے خواب کو اہمیت دے۔ بچے کی ہر خواہش پوری کرنے سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اسے یہ احساس دیا جائے کہ وہ اپنے گھر والوں کے لیے بہت قیمتی ہے۔

بچوں کی تربیت میں محبت کے ساتھ حدود اور نظم و ضبط بھی ضروری ہیں۔ ہر بات پر ڈانٹ دینا بچے کے دل میں خوف پیدا کر سکتا ہے، جب کہ ہر غلطی کو نظر انداز کرنا اسے غیر ذمہ دار بنا سکتا ہے۔ بہترین تربیت وہ ہے جس میں بچے کو غلطی کی اجازت تو ہو، مگر غلطی سے سیکھنے کا موقع بھی دیا جائے۔ اسے سزا کے خوف سے نہیں بلکہ اچھائی کی محبت سے بہتر انسان بننے کی ترغیب دی جائے۔

بچوں کے ذہن بہت حساس ہوتے ہیں۔ بڑوں کا ایک جملہ بھی ان کے دل پر گہرا اثر ڈال سکتا ہے۔ اگر ہم بار بار کسی بچے سے کہیں کہ تم ناکام ہو، تم کچھ نہیں کر سکتے، تم دوسروں سے کم ہو، تو ممکن ہے وہ ان الفاظ کو حقیقت سمجھ لے۔ اس کے برعکس اگر ہم کہیں کہ کوشش کرو، تم کر سکتے ہو، تمھاری صلاحیت قیمتی ہے، تو یہی الفاظ اس کے اندر اعتماد پیدا کر سکتے ہیں۔ اس لیے بچوں سے گفتگو کرتے ہوئے ہمیں اپنے الفاظ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے۔

بچوں کو صرف کامیابی کے لیے تیار کرنا کافی نہیں، انھیں ناکامی کا سامنا کرنا بھی سکھانا چاہیے۔ زندگی میں ہر خواب پہلی کوشش میں پورا نہیں ہوتا۔ کبھی بچہ امتحان میں کم نمبر لائے گا، کبھی کھیل میں ہارے گا، کبھی کسی مقابلے میں کامیاب نہیں ہوگا۔ ایسے وقت میں اسے طعنہ نہیں بلکہ سہارا چاہیے۔ اسے یہ سمجھانا چاہیے کہ شکست اختتام نہیں بلکہ دوبارہ کوشش کرنے کا موقع

ہے۔ جو بچہ ناکامی سے لڑنا سیکھ لیتا ہے، وہ زندگی کے بڑے طوفانوں کے سامنے بھی مضبوط رہتا ہے۔

بچوں کی دنیا میں کہانیوں کی بھی اپنی ایک جادوئی حیثیت ہے۔ دادی اور نانی کی کہانیاں، بادشاہوں کے قصے، پرندوں اور جانوروں کی حکایتیں اور اچھائی و برائی کی داستانیں بچوں کے ذہن پر گہرا اثر چھوڑتی ہیں۔ ایک اچھی کہانی بچے کو صرف محظوظ نہیں کرتی بلکہ اسے سچائی، محبت، ہمدردی، بہادری اور قربانی کا سبق بھی دے سکتی ہے۔ آج ہمیں پھر سے بچوں کو کتابوں اور اچھی کہانیوں سے جوڑنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کا تخیل زندہ رہے۔

بچے ہمارے مستقبل کے معمار ہیں۔ آج جو ننھا بچہ ہمارے سامنے کھیل رہا ہے، کل وہ معاشرے کی ذمہ داریاں سنبھالے گا۔ وہ استاد بن سکتا ہے، ڈاکٹر بن سکتا ہے، سائنس دان بن سکتا ہے، ادیب بن سکتا ہے، کسان بن سکتا ہے، سپاہی بن سکتا ہے یا ایک عام مگر نیک اور ذمہ دار شہری بن سکتا ہے۔ اس لیے بچوں کی تعلیم و تربیت پر خرچ ہونے والا وقت اور وسائل دراصل مستقبل پر سرمایہ کاری ہیں۔ جو قوم اپنے بچوں کو نظر انداز کرتی ہے، وہ اپنے مستقبل کو کمزور کرتی ہے۔

ہمیں ایسے معاشرے کی تعمیر کرنی ہوگی جہاں ہر بچے کو تعلیم کا حق ملے، کھیلنے کا موقع ملے، صحت کی سہولت ملے اور عزت کے ساتھ جینے کا حق حاصل ہو۔ ہمارے گھروں، اسکولوں، اداروں اور معاشرے کو مل کر ایسی فضا پیدا کرنی ہوگی جہاں بچے خوف کے بجائے اعتماد کے ساتھ بڑے ہوں اور ان کے دل میں انسانیت، محبت اور خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔

بچپن کا وقت بہت تیزی سے گزر جاتا ہے۔ کل جو بچہ ہماری گود میں تھا، آج اسکول جانے لگا؛ کل جو ہماری انگلی پکڑ کر چلتا تھا، آج اپنے قدموں پر چلنے لگا؛ اور ایک دن وہ اپنے خوابوں کی تلاش میں گھر سے دور نکل جائے گا۔ پھر ہمارے پاس صرف اس کے بچپن کی تصویریں، پرانی کتابیں، چھوٹے چھوٹے کھلونے اور یادوں کی ایک لمبی قطار رہ جائے گی۔ اس لیے آج جب بچے ہمارے پاس ہیں، ان کے ساتھ محبت کے چند لمحے ضرور گزاریں۔

آخر میں یہی کہنا چاہوں گا کہ بچوں کی دنیا کو خوبصورت بنانا صرف والدین کی نہیں، پورے معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ بچے کسی ایک گھر کی امید نہیں ہوتے، وہ پوری قوم کی امید ہوتے ہیں۔ ان کی ہنسی میں مستقبل کی خوشی چھپی ہوتی ہے، ان کے خوابوں میں آنے والے زمانے کی تصویر ہوتی ہے اور ان کی معصوم آنکھوں میں ایک بہتر دنیا کا امکان موجود ہوتا ہے۔ آیئے ہم ان آنکھوں سے خواب چھیننے کے بجائے ان خوابوں کو تعبیر دیں، ان کے ننھے ہاتھوں میں بوجھ کے بجائے کتاب دیں، ان کے قدموں میں رکاوٹ کے بجائے راستہ دیں اور ان کے دلوں میں خوف کے بجائے محبت بھر دیں۔ کیونکہ بچوں کی مسکراہٹ صرف ایک مسکراہٹ نہیں، یہ انسانیت کے روشن مستقبل کی سب سے خوبصورت علامت ہے۔

■

**Zaki Anwar Ansari**
Shahi Qila Gali
Burhanpur- 450331 (MP)
Mob.: 9074586142
zakianwar11@gmail.com

مضامین

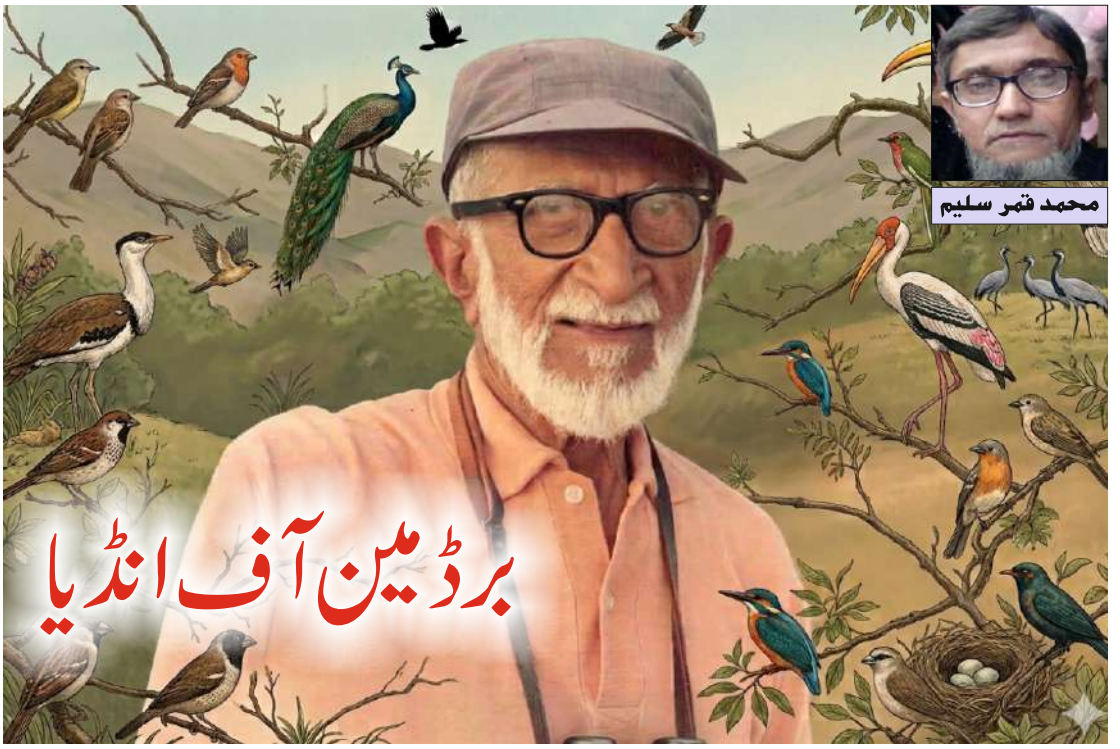



محمد قمر سلیم

# برڈ مین آف انڈیا

**بچو!** جب آپ صبح اسکول جانے کے لیے اٹھتے ہیں تو کیا آپ نے اپنے گھروں یا اپنے اطراف صبح کے وقت سورج نکلنے سے پہلے چڑیوں کی چہچہاہٹ، کبوتروں کی غٹرغوں، مرغے کی بانگ سنی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ آج کے دور میں تو شاید ہی سنی ہو خاص طور سے شہروں میں۔ کیونکہ اب شہروں میں اونچی اونچی بلڈنگیں بن گئی ہیں۔ کھلی فضا کا نام ونشان نہیں ہے تو پرندوں نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ اب گھروں میں مرغ پالنے کا رواج بھی دھیرے دھیرے ختم ہورہا ہے، اس لیے ان کی آوازیں شاذ و نادر ہی سنی جاتی ہیں اب تو گاؤں میں بھی نئے طرز کے مکانات بننے لگے ہیں تو لوگوں نے چرند پرند بھی پالنا بند کردیے۔ اب گھروں میں منڈیریں بھی نہیں ہیں جس پر یہ پرندے آکر کائیں کائیں، چوں چوں، غٹرغوں، ککڑوں کوں کریں۔ اس لیے اب پرندوں کی چہچہانے کی آوازیں کہاں سے آئیں گی۔ لیکن ایک ایسا زمانہ تھا جب لوگ ان پرندوں کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ ایسے ہی لوگوں میں ایک شخص تھا جس کا نام تھا سالم علی۔

بچو! کیا آپ جانتے ہیں کہ سالم علی کو 'برڈ مین آف انڈیا' (Bird Man of India) یعنی 'ہندوستان کا ماہر طیور' کہا جاتا ہے۔ اس عظیم انسان کی پیدائش 12 نومبر 1896 میں ہوئی تھی جب کہ وفات 20 جون 1987 میں ہوئی۔ ان کی پیدائش ممبئی کے سلیمانی بوہرا خاندان میں ہوئی تھی۔ پورا نام سالم معیز الدین عبدالعلی تھا۔ وہ جب ایک سال کے تھے تو ان کے والد کا انتقال ہوگیا اور 3 سال کی عمر میں والدہ زینت النساء بھی چل بسیں۔ اب اس یتیم بچے کی پرورش ان کے ماموں امیر الدین طیب جی اور

ممانی حمیدہ بیگم نے کی۔ سالم کو بچپن سے ہی کتابیں پڑھنے کا شوق تھا، خاص طور سے وہ کتابیں جن میں شکار کے بارے میں معلومات ہوتی تھی۔ یہ بچہ کھیلوں میں بھی دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کا سب سے پسندیدہ کھیل نشانہ بازی تھا۔ اس کھیل میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ جن بچوں کے ساتھ وہ بڑا ہوا ان میں پاکستان کے پہلے صدر اسکندر مرزا بھی تھے۔ کہتے ہیں اسکندر مرزا سالم کے دور کے بھائی تھے۔

سالم علی کے ماموں امیر الدین بامبے نیچرل ہسٹری سوسائٹی Bombay Natural History Society (BNHS) کے رکن تھے۔ سوسائٹی کے سکریٹری ڈبلیو ایس ملارڈ (W. S. Millard) نے ان کی اس وقت ہمت افزائی کی جب انھوں نے 10 سال کی عمر میں ایک غیر معمولی چڑیا کا شکار اپنی ایئر گن (یہ ایئر گن ان کے چچا نے دلائی تھی) سے کیا تھا۔ ملارڈ نے اس چڑیا کی شناخت زرد گردن والی گوریا سے کی۔ سالم علی اب باقاعدہ ملارڈ کے پاس جانے لگے اور ملارڈ بھی ان کی دلچسپی دیکھ کر انھیں مختلف پرندوں کی کتابوں سے متعارف کراتے رہے اور انھیں میوزیم میں بھونسے سے بھری مختلف چڑیاں دکھائیں اور ان کے بارے میں معلومات دی۔ وہ سالم علی کو بھی چڑیوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ یہی نہیں انھوں نے سالم علی کو چڑیوں کی جلد یعنی کھال کو اتارنے، ان کے تحفظ اور ان کے پاؤں اور پنکھوں پر شناختی کارڈ لگانے کا ہنر بھی سکھایا۔ اسی درمیان ملارڈ کے حوالے سے ان کی پہچان میوزیم کے کیوریٹر نارمن بوائڈ کنیئر (Norman Boyd Kinnear) سے ہوئی۔ سالم علی پہلے شخص تھے جنھوں برڈ کلیکچر کو ہندوستان میں فروغ دیا اور مختلف پرندوں کو تحفظ دیا۔

سالم علی اپنی سوانح عمری 'دی فال آف اے اسپیرو' (The Fall of A Sparrow) یعنی 'ایک گوریا کا گرنا' میں لکھتے ہیں کہ زرد گردن والی چڑیا کے شکار نے انھیں ماہر طیور بننے میں بہت مدد کی۔ بامبے نیچرل ہسٹری سوسائٹی کو فعال بنانے میں ان کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ 'کیولا دِیو نیشنل پارک' (Keoladeo National Park) یعنی بھرت پور میں پرندوں کی پناہ گاہ بنانے میں بھی وہ پیش پیش تھے۔

سالم علی نے ابتدائی تعلیم 'زنانہ بائبل اور میڈیکل مشن گرلس ہائی اسکول' سے حاصل کی۔ جب ان کی عمر تقریباً 13 سال تھی تو ان کے سر میں شدید درد اٹھا جس کی وجہ سے ان کی پڑھائی چھوٹ گئی اور انھیں سندھ، پاکستان ان کے چچا کے پاس بھیج دیا گیا لیکن کچھ سال بعد وہ واپس آ گئے اور 17 سال کی عمر میں 1913 میں بامبے یونیورسٹی کا میٹریکیولیشن پاس کیا۔ انھوں نے سینٹ زیویرس کالج بامبے میں ایک سال ہی گزارا تھا کہ برما چلے گئے۔ جہاں وہ اپنے خاندان کے (Wolfram Mining and Timber) وولفرام کانکنی اور لکڑی کی تجارت سے جڑ گئے۔ کانکنی کے کام کے ساتھ وہ یہاں لکڑی کا انتظام بھی دیکھتے تھے۔ اس جگہ کے اطراف میں جنگلات تھے۔ ان کی موجودگی نے سالم علی کی دلی مراد پوری کر دی یعنی وہ جنگلات میں شکار کرنے جاتے اور مختلف قسم کی چڑیوں سے ملاقاتیں ہوتی۔ سالم علی چڑیوں کی مختلف نسلوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتے رہے۔ انھوں نے

مضامین

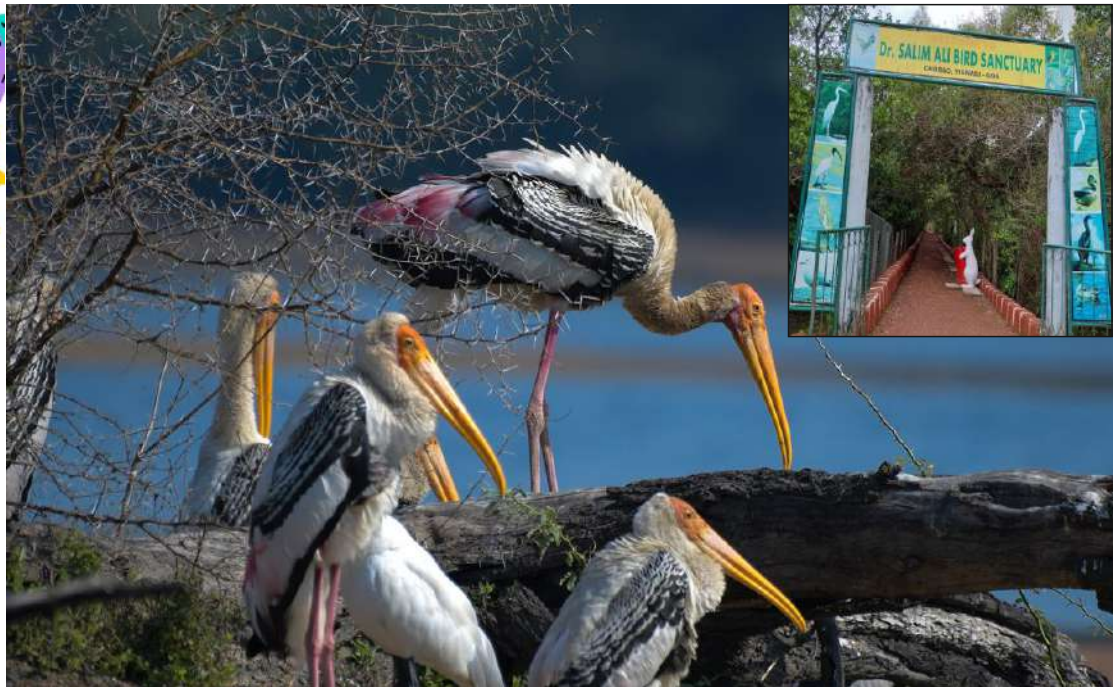


چڑیوں کے رہن سہن، عادات واطوار اور سماجی زندگی کا بھی بہت گہرائی سے مطالعہ کیا۔انھوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ مغل بادشاہ پرندوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور حقیقت میں وہ پرندوں اور قدرتی حسن کے دلدادہ تھے۔

وہ 1917 میں ہندوستان واپس آئے اور ڈاور کالج آف کامرس (Davar's College of Commerce) سے کمرشیل لا اور اکاؤنٹینسی (Commercial law & Accountancy) کیا۔ساتھ ہی سینٹ زیویرس کالج کے فادر ایتھل برٹ (Father Aethelbert) کے کہنے سے زولوجی یعنی حیوانیات کی تعلیم حاصل کی۔سالم علی کی شادی ان کی ایک رشتہ دار تحمینہ سے ہوئی۔تحمینہ انگلستان میں تھیں۔انھوں نے ہی سالم علی کی انگریزی میں نکھار پیدا کیا۔اس کا اعتراف خود سالم علی نے کیا۔یہی نہیں انھوں نے چڑیوں کے لیے اپنے شوہر کی دلچسپی میں مزید اضافہ کیا اور ان کے کام میں کندھے سے کندھا ملا کر چلیں لیکن جلدی ہی ان کا انتقال ہوگیا۔

1926 میں سالم علی نے بامبے کے پرنس ویلس میوزیم (Prince Wales Museum) میں 350 روپے ماہانہ پر نوکری کی لیکن 2 سال بعد ہی نوکری چھوڑ کر جرمنی تعلیم حاصل کرنے چلے گئے۔وہاں پر انھوں نے برلن نیچرل ہسٹری میوزیم (Berlin's Natural History Museum) میں پروفیسر اروِن اسٹریس مین (Erwin Stresemann) کی نگرانی میں کام کیا۔

بچو! کیا آپ جانتے ہیں سالم علی کو موٹر سائیکل چلانے کا بہت شوق تھا۔جب وہ برما میں تھے تو انھوں نے جرمنی کی بنی ہوئی موٹر سائیکل خریدی۔یہ ان کی پہلی بائک تھی۔اس کے علاوہ ان کے پاس سن بیم، ہارلے ڈیوڈسن،

ڈگلس، اسکاٹ، نیوہڈسن، زینتھ جیسی بائکوں کا خزانہ تھا۔ ان کو موٹر سائیکل کا اتنا زیادہ شوق تھا کہ انھوں نے یورپ کے مختلف ممالک کا سفر موٹر سائیکل سے طے کیا۔ دراصل ہوا یوں کہ 1950 میں سوئیڈن کی اپسلا یونیورسٹی (Uppsala University) سے انٹرنیشنل اورنیتھولوجیکل کانگریس (International Ornithological Congress) 'بین لاقوامی علم الطیور کانگریس' کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ان کو مدعو کیا گیا۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر بامبے سے پانی کے جہاز ایس ایس سٹراتھیڈن (S S Stratheden) سے اپنی سن بیم موٹر سائیکل منگوالی اور پھر اس سے یورپ کے مختلف ممالک کی سیر کی۔ اس درمیان انھیں جرمنی اور فرانس میں چوٹیں بھی آئیں لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور زخمی ہونے کے باوجود بائک کا سفر کرتے رہے۔ جب وہ اپسلا پہنچے تو یہ مشہور ہوگیا کہ وہ ہندوستان سے بائک پر سوئیڈن پہنچے ہیں۔

یوں تو سالم علی نے متعدد کتابیں لکھیں لیکن ان کی کچھ اہم کتابیں اس طرح ہیں: دی فال آف اے اسپیرو، (The Fall of A Sparrow) دی بک آف انڈین برڈز (The Book of Indian Birds) جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا اور اس کی تقریباً 46000 کاپیاں بکیں، اے پکٹوریل گائڈ آف دی برڈ، (A Pictorial Guide of the Birds) دی برڈ آف سکم، (The Birds of Sikkim) برڈ آف کیرل، (The Birds of Kerala) برڈز آف کچھ، (Birds of the Kutchh) برڈ آف دی ایسٹرن ہمالیہ، (Indian Hill Birds) انڈین ہل برڈز، (Common Birds) کامن برڈز اہم ہیں۔ لیکن ان کی سب سے زیادہ بکنے والی کتاب سڈنی ڈلن رپلے (Sidney Dillon Ripley) کے ساتھ مل کر لکھی گئی کتاب 'ہینڈ بک آف دی برڈز آف انڈیا اینڈ پاکستان' (Handbook of the Birds of India and Pakistan) تھی۔ اس کتاب کی 10 جلدیں تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ اس کتاب کو لکھنے میں 10 سال کا عرصہ لگا۔

1953 میں انھیں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے 'جائے گوبند لاء گولڈ میڈل' (Joy Gobinda Law Gold Medal) دیا۔ 1967 میں وہ پہلے غیر برطانوی شہری تھے جنھیں برٹش اورنیتھولوگسٹ یونین (British Ornithologists' Union) کی طرف سے 'گولڈ میڈل' ملا۔ انھیں سب سے اہم انعام 'جے پال گیٹی والڈ لائف کنزرویشن پرائز' (J. Paul Getty Wildlife Conservation Prize)، جس کی رقم ایک لاکھ ڈالر تھی، ملا۔ 1970 میں انھیں انڈین نیشنل سائنس اکادمی نے سندر لال ہورا میموریل میڈل (Sunder Lal Hora Memorial Medal) سے نوازہ جب کہ 1958 میں پدم بھوشن اور 1976 میں پدم وبھوشن دیا گیا۔

■

**Mohd Qamar Saleem**
Flat No.: 302, Building No.: 4E
Saushilya CHS, Silver Leaf Reality
Mamdapur, Neral (Karjat)
Raigad - 410101 (Maharashtra)
Mob.: 9322645061
Mob.: qamarsaleemin@yahoo.co.in

مضامین

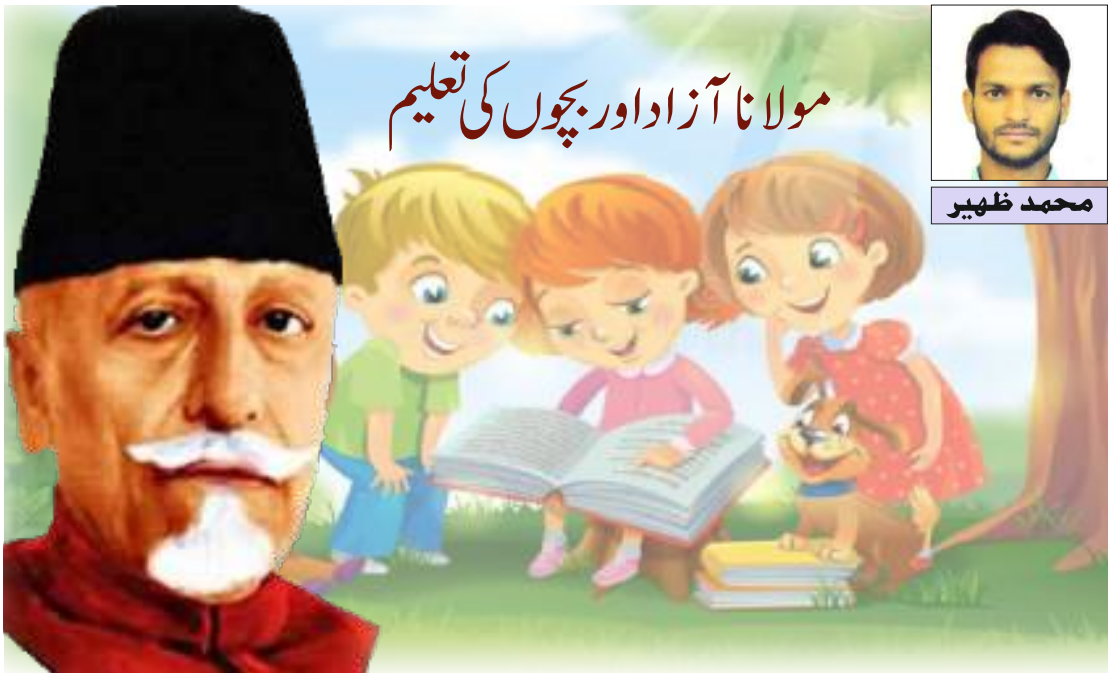

# مولانا آزاد اور بچوں کی تعلیم



محمد ظہیر

**تعلیم** ہر انسان کے لیے بہت ضروری اور پیدائشی حق بھی ہے کیونکہ تعلیم سے ہی انسان اچھی باتوں کو سمجھتا اور اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ تعلیم انسان کو اپنے حقوق اور فرائض کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور اسے اپنے مستقبل کے بارے میں بہتر فیصلہ کرنے کے قابل بھی بناتی ہے۔ اگر بچوں کو اچھی تعلیم ملے گی تو وہ بڑے ہوکر اپنے خاندان، معاشرے اور ملک کے لیے اچھا کام کر سکیں گے۔ تعلیم بچوں کے اندر اچھی سوچ، خود اعتمادی، نظم و ضبط اور دوسروں کے ساتھ اچھا برتاؤ پیدا کرنے میں بھی مدد فراہم کرتی ہے۔ اس لیے ہر بچے کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملنا چاہیے، خواہ وہ کسی بھی خاندان، طبقے یا علاقے سے تعلق رکھتا ہو۔ ہندوستان میں تعلیم کے میدان میں بہت سے لوگوں نے کام کیا، ان میں مولانا ابوالکلام آزاد کا نام بہت اہم ہے۔ وہ ایک بڑے عالم، صحافی اور ادیب تھے۔ ملک کو آزاد کرانے میں انھوں نے بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔ مولانا، آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم بھی بنے۔ وہ تعلیم کو بہت اہم سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ ملک کا ہر بچہ اسکول جائے اور تعلیم حاصل کرے۔ وہ چاہتے تھے کہ بچوں کو ایسی تعلیم دی جائے جس سے ان کے اندر علم کے ساتھ اچھی سوچ اور اچھے کردار کی بھی ترقی ہو۔ ان کے نزدیک تعلیم کا مقصد صرف کتابیں پڑھنا اور امتحان پاس کرنا نہیں تھا بلکہ بچوں کو ایک اچھا انسان اور ذمے دار شہری بنانا بھی تعلیم کا اہم مقصد تھا۔ بچوں کی تعلیم کے بارے میں ان کے خیالات آج بھی ہمارے لیے بہت اہم ہیں۔ اگر بچوں کو شروع سے ہی اچھی تعلیم اور اچھا ماحول ملے تو وہ اپنی صلاحیتوں کو بہتر طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں اور مستقبل میں ملک کی ترقی میں اپنا




اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

## بچوں کی تعلیم کے لیے مولانا آزاد کی کوششیں اور آج کے دور میں اہمیت

مولانا آزاد نے آزادی کے بعد ہندوستان میں تعلیم کو عام کرنے کے لیے بہت کوشش کی۔ وہ ملک کے پہلے وزیر تعلیم تھے اور ان کی کوشش تھی کہ ہر بچے کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملے۔ وہ ابتدائی تعلیم کو بہت اہم سمجھتے تھے، کیونکہ ان کے خیال میں بچے کی تعلیم کی بنیاد شروع ہی سے مضبوط ہونی چاہیے۔ وہ چاہتے تھے کہ بچوں کے لیے زیادہ سے زیادہ اسکول قائم ہوں اور غریب خاندانوں کے بچے بھی آسانی سے تعلیم حاصل کرسکیں۔ انھوں نے تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنس، تحقیق اور اعلیٰ تعلیم کے فروغ پر بھی توجہ دی تاکہ ملک میں علم اور نئی سوچ کو آگے بڑھایا جاسکے۔ مولانا آزاد کا خیال تھا کہ تعلیم کو صرف شہروں تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ گاؤں اور دور دراز علاقوں کے بچوں تک بھی تعلیم پہنچنی چاہیے۔ آج کے دور میں بھی ان کی یہ سوچ بہت اہم ہے، کیونکہ اب بھی بہت سے بچوں کو غربت، اسکول سے دوری، گھریلو مسائل اور دوسری مشکلات کی وجہ سے اپنی تعلیم جاری رکھنے میں پریشانی ہوتی ہے۔ آج تعلیم کے ساتھ ٹیکنالوجی کا استعمال بھی بڑھ گیا ہے، لیکن ہر بچے کو موبائل، انٹرنیٹ اور کمپیوٹر جیسی سہولتیں برابر نہیں مل پاتی ہیں۔ ایسے وقت میں مولانا آزاد کا یہ خیال ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ''تعلیم کا فائدہ ہر بچے تک پہنچنا چاہیے۔ اگر بچوں کو اچھی اور برابر تعلیم کے مواقع ملیں تو وہ اپنی صلاحیتوں کو بہتر طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں اور ملک کی ترقی میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس لیے بچوں کی تعلیم کے بارے میں مولانا آزاد کے خیالات آج بھی ہمارے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔''

## اصلاحی تجاویز

بچوں کی تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہر بچے کو اسکول جانے اور تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملے۔ غریب خاندانوں کے بچوں کے لیے کتاب، لباس، اسکول کا سامان اور دوسری ضروری سہولتیں آسانی سے فراہم کی جانی چاہیے تاکہ پیسوں کی کمی کی وجہ سے کوئی بچہ تعلیم سے محروم نہ رہے۔ اسکولوں میں

اچھی عمارت، صاف پانی، بیت الخلا، بجلی، کتابوں اور کھیل کود کی مناسب سہولت بھی ہونی چاہیے تاکہ بچوں کو اسکول میں پڑھنے کے لیے اچھا ماحول مل سکے۔ اساتذہ کی مناسب تعداد میں تقرری کے ساتھ ان کی تربیت پر بھی توجہ دینا ضروری ہے، کیونکہ اچھے اساتذہ بچوں کو بہتر طریقے سے پڑھانے اور ان کی صلاحیتوں کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ والدین میں بھی بچوں کی تعلیم کے بارے میں بیداری پیدا کی جانی چاہیے اور انھیں سمجھایا جانا چاہیے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کی تعلیم یکساں اہم ہے۔ آج کے دور میں بچوں کی تعلیم میں موبائل، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا استعمال بھی بڑھ رہا ہے، اس لیے غریب اور دور دراز علاقوں کے بچوں کو بھی ڈیجیٹل تعلیم کی سہولت فراہم کی جانی چاہیے۔ بچوں پر صرف امتحان اور نمبر حاصل کرنے کا دباؤ نہیں ہونا چاہیے بلکہ انھیں سمجھ کر سیکھنے، سوال کرنے اور اپنی بات کہنے کا موقع بھی ملنا چاہیے۔ اگر حکومت، اسکول، اساتذہ اور والدین مل کر بچوں کی تعلیم پر توجہ دیں تو ہر بچے کے لیے بہتر تعلیمی مستقبل بنایا جا سکتا ہے۔

## خلاصہ

مولانا ابوالکلام آزاد تعلیم کو انسان کی زندگی اور ملک کی ترقی کے لیے بہت ضروری سمجھتے تھے۔ ان کا ماننا تھا کہ بچوں کی اچھی تعلیم ہی ایک بہتر معاشرے کی بنیاد بن سکتی ہے، کیونکہ آج کے بچے ہی کل ملک کی ذمہ داری سنبھالیں گے۔ وہ چاہتے تھے کہ بچوں میں علم کے ساتھ اچھی عادتیں، دوسروں کا احترام اور اپنے ملک کے لیے ذمے داری کا احساس بھی پیدا ہو۔ وہ لڑکیوں کی تعلیم کو بھی بہت اہم سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ لڑکیوں کو بھی لڑکوں کی طرح تعلیم حاصل کرنے کے برابر مواقع ملیں۔ ان کا خیال تھا کہ ایک تعلیم یافتہ لڑکی اپنے خاندان اور معاشرے کی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ آزادی کے بعد ملک کے پہلے وزیر تعلیم کی حیثیت سے مولانا آزاد نے تعلیم کے فروغ کے لیے اہم کوششیں کیں اور ہندوستان میں تعلیمی اداروں اور اعلیٰ تعلیم کے فروغ پر توجہ دی۔ آج کے دور میں بھی ان کی تعلیمی سوچ ہمارے لیے بہت اہم ہے، کیونکہ ابھی بھی بہت سے بچے غربت، اسکول سے دوری، گھریلو مسائل، تعلیمی سہولتوں کی کمی اور ڈیجیٹل وسائل تک محدود رسائی کی وجہ سے تعلیم میں مشکلات کا سامنا کرتے ہیں۔ بچوں کو ایسا تعلیمی ماحول دینا چاہیے جہاں وہ بغیر خوف کے سیکھ سکیں، سوال کر سکیں، اپنی صلاحیتوں کو پہچان سکیں اور اپنے مستقبل کے بارے میں بہتر سوچ سکیں۔ اگر ہم مولانا آزاد کے تعلیمی خیالات کو عملی طور پر اپنائیں اور ہر بچے تک معیاری تعلیم پہنچانے کی کوشش کریں تو ایک تعلیم یافتہ، باشعور اور مضبوط معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح مولانا آزاد کی تعلیم کے بارے میں سوچ صرف ان کے زمانے تک محدود نہیں ہے بلکہ آج بھی بچوں کی بہتر تعلیم اور ملک کی ترقی کے لیے اتنی ہی اہم ہے۔

■

**Md. Zaheer**
Village: Qaziyahi
Post: Benta, Via: Khajoli
Distt.: Madhubani- 847228 (Bihar)
Mob.: 7352758812
zalam4216@gmail.com



عبدالرزاق دل کھولاپوری

نظمیں

# ابوالکلام آزاد

بچو! ابوالکلام آزاد
بھول نہ جانا رکھنا یاد
آزادی کے رکن آزاد
سدا رہیں گے سب کو یاد
وطن پرست، خوش نصیب تھے
عالم، فاضل، ادیب تھے
روحِ وطن اور رشکِ جہاں
ماہرِ ذوقِ سیاست داں
ہوئے جو آپ وزیرِ تعلیم
نبھائی عمدہ یہ تنظیم
انھیں مطالعہ کا تھا شوق
بچو! آپ بھی رکھو ذوق
گیارہ نومبر رکھ دل یاد
پیدا ہوئے اس دن آزاد



■

**Abdur Razzaque Dil Kholapuri**
At. Post: Kholapur
Taq.: Bhatkuli
Distt.: Amravati- 444802 (Maharastra)
Mob.: 7304485318

نظمیں



احمد وکیل علیمی



# بیٹیاں

بیٹیوں کی ولادت پہ غم کیوں؟
باپ، ماں کی بھی ہے چشم نم کیوں؟
بیٹیاں، بیویاں، ماں، بہن سب
بدنظر کی شکار آج ہیں رب
بیٹیاں بار ہوتی نہ جائیں
خوش رہیں کیسے ساری وہ مائیں
بیٹیوں کی ولادت جو کم ہو
کیوں نہ جنت کے کھونے کا غم ہو
گھٹتی جائے گی تعداد ان سے
ہے حسیں زندگی آج جن سے
ماں، بہن، نہ ہی بیگم ملے گی
زندگی کس طرح سے کھلے گی
خود کو بدبخت ماں، باپ کہتے
وہ ولادت پہ افسردہ رہتے
قدر بیٹی کی ہیں کرنے والے
ہیں ابھی رب سے کچھ ڈرنے والے
ایسے لوگوں سے ہی التجا ہے
آدمی کی یہ کیسی ادا ہے
درس انسانیت کی سکھائیں
دردناک ان کی ہوں گی سزائیں
نعمتوں میں ہیں یہ بیٹیاں سب
کر تحفظ عطا ان کو تو رب

■

**Md. Wakeel**
B.L. No. 4, Holding No.: 5
P.O.: Kankinara, North 24
Parganas- 743126 (West Bengal)
Mob.: 9330126756
wakeelaleemi@gmail.com

نظمیں



# پیڑ لگاؤ



مجیب شہزر

آؤ میرے ساتھی آؤ
جگہ جگہ پر پیڑ لگاؤ
پیڑوں سے بادل چھائیں گے
ساتھ میں پانی بھی لائیں گے
گیت خوشی کے سب گائیں گے
لوگوں کو یہ بات بتاؤ
آؤ میرے ساتھی آؤ
جگہ جگہ پر پیڑ لگاؤ
ہوا چلے گی پیاری پیاری
بھاگے گی ہر اک بیماری
پرکھوں نے کیا خوب کہا ہے
پیڑ لگاؤ جیون پاؤ
آؤ میرے ساتھی آؤ
جگہ جگہ پر پیڑ لگاؤ
میرا سپنا پورا کر دو
دھرتی کو پیڑوں سے بھر دو
ہرے پیڑ نہ کاٹے کوئی
سب مل کر آواز اٹھاؤ
آؤ میرے ساتھی آؤ
جگہ جگہ پر پیڑ لگاؤ
پیڑوں سے ہریالی ہوگی
گھر گھر میں خوشحالی ہوگی
پیڑ لگا کر میرے یارو
دھرتی کو گلزار بناؤ
آؤ میرے ساتھی آؤ
جگہ جگہ پر پیڑ لگاؤ

■

**Dr. Mujeeb Shahzar**
27, Rehmat Kada Street No: 6
Nagla Patwari, Barauli Road
Aligarh- 202002
Mob.: 9837684430 (UP)
mujeebshehzar786@gmail.com

نظمیں

# انعام



ابّو ابّو یہ تو بتانا
بیس روپے میں کیا کیا لانا
امّی کی اک پاؤ ترائی
لے آنی ہے نان خطائی
عینی ہے آفت کی پڑیا
وہ مانگے چابی کی گڑیا
پان منگائے دادا جانی
باجی کی ہے ٹیک سدھانی
سعد کا چوکو بار اسی میں
آپ کا ہے اخبار اسی میں
بول رہی ہے چھوٹی بیبا
لے آنا موتی کی ڈبیہ

اتنی چیزیں کیسے لاؤں
سب کو کیسے خوش کر پاؤں
پیار سے سر پر ہاتھ گھما کر
بولے ابّو یوں مسکا کر
بیٹا رومی تم ہو بچّے
لیکن ہو اخلاق کے اچّھے
یہ تو ہے انعام تمھارا
باقی سب ہے کام ہمارا

■

**Amanul Haque Balapuri**
Darulaman, Jawli base
BALAPUR- 444302
Dist.: Akola(Maharashtra)
Mob.: 9822695795
amanbinrazzaq@gmail.com

نظمیں



# نرالا مرغا



انور آفاقی

مرغا جب سے پالا ہے
صبح کو روز جگاتا ہے
بانگ جو دینا اس کو ہو تو
پیڑ پہ وہ چڑھ جاتا ہے
بلی سے وہ نہیں ہے ڈرتا
الٹا رعب جماتا ہے
گھر میں کتا جھانکے تو
ککڑوں کوں وہ کرتا ہے
آپ کا مرغا کالا ہے
مرغا میرا نرالا ہے
میں جب بھی آواز لگاؤں
مرغا دوڑ کے آتا ہے
جب میں کھانا کھاتا ہوں تو
وہ بھی ساتھ میں کھاتا ہے
بچو سچ مچ کیا تم نے
ایسا مرغا پالا ہے

■

**Anwar Afaqi**
Hoda Manzil
Rajtoli Bhigo, P.O.: Lalbagh
Darbhanga- 846004 (Bihar)
Mob.: 9931016273
anwaraafaqi07@gmail.com

نظمیں





فہیم احمد

# پھلجھڑی

دیوالی کی شان پھلجھڑی
ہم بچوں کی جان پھلجھڑی

لگتی ہمیں کھلونے جیسی
دیکھ جسے خوش ہوتے سارے
بجیں تالیاں جب جھڑتے ہیں
جگمگ کرتے خوب ستارے

آنکھوں میں بس جاتی فوراً
کبھی نہ کھائے کان پھلجھڑی
دیوالی کی شان پھلجھڑی
ہم بچوں کی جان پھلجھڑی

لگا اجالوں کا میلا جب
جلیں خوب ساری پھلجھڑی
ایسا لگتا ناچ رہی ہیں
جھلمل کرتی ساری پریاں

آؤ مل کر خوشی مناؤ
کرتی ہے اعلان پھلجھڑی
دیوالی کی شان پھلجھڑی
ہم بچوں کی جان پھلجھڑی

لگتی ہے ہنستی گڑیا سی
کرتی بڑی انوکھی کھل کھل
جو روٹھے ہیں انھیں مناتی
ساتھ سبھی کے جاتی ہل مل

سب کے دل میں گھر کر جاتی
جوں پیاری مسکان پھلجھڑی
دیوالی کی شان پھلجھڑی
ہم بچوں کی جان پھلجھڑی

■

**Dr. Faheem Ahmad**
Assistant Professor, Dept of Hindi
Mahatma Gandhi Memorial (P.G) College
Chaudhary Sarai, Near Police Chowki
Sambhal- 244302 (UP)
Mob.: 8896340824
drfaheem807@gmail.com

نظمیں

# دیوالی پر ماہیے





کلیم نوری فیروزآبادی

ایثار و محبت کا
لائی ہے دیوالی
پیغام مسرت کا

کیا خوب نظارے ہیں
دیپ دوالی کے
لگتا ہے ستارے ہیں

ہر ذرّہ چمکتا ہے
رات کی آنکھوں سے
جب نور ٹپکتا ہے

ہل چل ہے خلاؤں میں
نور چراغوں کا
پھیلا ہے فضاؤں میں

چمکی ہے ہر اِک ڈالی
سب کے دلوں پر یوں
چھائی ہے یہ دیوالی

بچنا ہے دکھوں سے گر
دل کی حویلی میں
محنت سے چراغاں کر

پرنور ہو اتن من
دل میں دوالی کے
جب دیپ ہوئے روشن

نفرت کو مٹانا ہے
پیار کا اِک دیپک
ہر گام جلانا ہے

ہے میری دعا پیہم
میرا وطن یارب
پرنور رہے ہر دم

ہر روز ہو دیوالی
رب سے دعا ہے یہ
گھر گھر میں ہو خوشحالی

■

**Abdul Kaleem**
11, Makka Colony , Ramgarh Road
Firozabad - 283203 (UP)
Mob.: 9149114721
kaleemnoorie42@gmail.com

نظمیں





فوزیہ اختر ازکیٰ

# ٹیلی ویژن

ٹی وی نے زمانے کا بدل ڈالا ہے منظر
تکنیک سے اپنی ہمیں کر دیتا ہے ششدر

جے ایل بیرڈ جانتے ہو، اس کا ہے موجد
جس نے دیا دنیا کو بصیرت کا یہ جوہر

لہروں پہ رواں ہے یہ عجب ایک کرشمہ
دیکھو تو نظر آئے گا اک حسن کا پیکر

آیا تھا زمانے میں تو بے رنگ تھا لیکن
رنگوں میں ڈھلا تو یہ ہوا اور بھی بہتر

ایل سی ڈی وایل ای ڈی ہیں کچھ اور بھی قسمیں
سب دیکھ کے ہو جاتے ہیں اس کو متحیر

گھر بیٹھے ہی ہم سارا جہاں دیکھ چکے ہیں
حیرت کے کئی راز عیاں کرتا ہے ہم پر

تصویر کے پردے میں چھپا علم کا دریا
الفاظ کے موتی میں رواں فہم کا ساگر

دنیا کے ہر اک گوشے کی لاتا ہے یہ خبریں
تفریح کے پردے میں چھپا علم کا جوہر

پکوان سکھاتا ہے کئی اور ہنر بھی
ہر بیٹی کے ہے واسطے یہ مفت کا ٹیچر

کارٹون ہوں، فلمیں ہوں، کوئی کھیل کہ نغمے
یوں سمٹے ہوئے جیسے ہوں کوزے میں سمندر

ہے سب کے لیے وقت گزاری کا وسیلہ
پاتے ہیں خوشی اس سے، ہوں مزدور کہ افسر

وقعت ہوئی کم فون کے آ جانے سے اس کی
اک دور تھا ٹی وی سے مزے لیتے تھے گھر بھر

ازکیٰ مجھے یاد آتا ہے بچپن کا زمانہ
لگتا تھا ہے دنیا نئی اس بکس کے اندر

■

**Fauzia Akhter Azka**
C/o Md Shahid Iqbal
8 B Dent Mission Road
1st Floor, Khidderpur
Kolkata -700023 (West Bengal)
Mob.: 9163247925
fauziapinty786@gmail.com

نظمیں

# نعمت خانہ



رضوان مرزا



گھر میں ہے باورچی خانہ
دادی اماں جو بھی پکائیں

اس میں ہے اک نعمت خانہ
سب چیزیں اس میں ہی چھپائیں

لکڑی سے کیا خوب بنا ہے
حلوہ پوری جو بھی پکا ہے

تالے کا پہرہ بھی لگا ہے
وہ سب کچھ اس میں ہی رکھا ہے

رام بڑھئی کی ہے یہ صفائی
بچے اکثر اس کو تاکیں

اس نے کیا ہی چیز بنائی
حسرت سے جالی سے جھانکیں

سیدھے سادے اس کے دو پٹ
نام ہے اس کا نعمت خانہ

کھل کر بند ہوں کب ہے جھنجھٹ
کام ہے بس چیزوں کو چھپانا

جس میں ہر اک چیز سجی ہے
اس کا بھی تھا ایک زمانہ

جالی بھی کیا خوب لگی ہے
دور نیا اس سے بیگانہ

مچھر مکھی کب جا پائیں
کتا بلی کیا کھا پائیں؟

■

**Rizwan Mirza**
Jama Masjid Chowk
Old Tahsil Road, Akot
Dist Akola - 444101 (Maharashtra)
Phone : 9850291851
rizwanpanaj@gmail.com

کہانیاں

# بنسی، بے بی بندر اور بکری



سلیم خان



**شدید** گرمی کے سبب جنگل کے تالاب، ندیاں اور جھرنے خشک ہوگئے تھے۔ میدانوں کی ہریالی، درختوں کی ٹہنیاں اور شاداب بیلیں مرجھا کر زرد ہوگئی تھیں۔ ہرا بھرا دکھائی دینے والا جنگل اب کسی کھنڈر کی طرح لگ رہا تھا۔ ان حالات میں کئی جانور پانی اور خوراک کی تلاش میں جنگل سے اِدھر اُدھر نکل گئے تھے۔

بنسی بندر کا پریوار بھی گھومتے پھرتے پہاڑ کے دامن میں آباد ایک گاؤں پہنچ گیا تھا۔ یہ گاؤں اسمارٹ سٹی کے مانند دلکش اور خوبصورت تھا۔ یہاں لمبی کشادہ سڑکیں، اسکول، کالج، دواخانے، ورزش گاہیں، شاپنگ مالز، سوئمنگ پول جیسی اہم سہولیات فراہم تھیں۔ عمارتوں پر سولر پینل، ڈش اینٹینا اور موبائل ٹاورس لگے ہوئے تھے۔ مگر بندروں کے لیے یہ سب چیزیں عجیب اور بے معنی تھیں۔ وہ ان الیکٹرانک مصنوعات کو دیکھ کر کبھی خوف زدہ ہوجاتے اور کبھی اپنا سر کھجانے لگتے۔ ایک مکان سے دوسرے مکان کی چھت پر دوڑتے پھرتے یا کبھی کسی اونچی عمارت پر بیٹھ کر گاؤں میں ہونے والی گہما گہمی اور موٹر گاڑیوں کی آمد و رفت کا حیرت سے نظارہ کرتے۔

بندروں کو گاؤں میں کھانا پانی خوب مل رہا تھا۔ کبھی کوئی ان کی طرف محبت سے کیلے یا کوئی اور سامان اُچھال

دیتا تو کوئی ان کے لیے اپنے گھر کی چھت پر بچا ہوا کھانا رکھ دیتا۔ بندر جب زمین پر اترتے بچے شور مچا کر ان کے پیچھے دوڑنے لگتے، ان کی نقلیں کرتے، ان کی طرف پتھر اور لکڑیاں پھینک کر انھیں پریشان کرتے۔ بندر فوراً مکانوں کی چھتوں یا درختوں کی اونچی ٹہنیوں پر جا بیٹھتے اور بچوں کو حیرت سے دیکھتے ہوئے سوچتے، ''یہ انسان بھی عجیب مخلوق ہے، کبھی ہمیں کھلاتی پلاتی ہے اور کبھی پریشان کرتی ہے۔''

گاؤں میں بس اسٹینڈ کے پاس ایک بڑا خوبصورت گارڈن تھا۔ یہاں دیسی بدیسی پھولوں کے پودے، خوشبودار بیل بوٹے اور کئی قسم کے گھنے تناور پیڑ تھے۔ دائروی حوض میں دلکش ست رنگی فوارہ، بیٹھنے کے لیے جگہ جگہ کانکریٹ بینچ اور خاص طور پر بچوں کے لیے کھیل کود کے وسائل کا انتظام تھا۔ ایسے خوشنما قدرتی ماحول کے سبب بندروں نے اس گارڈن کو اپنا ٹھکانا بنالیا تھا اور سونے پر سہاگا یہاں انھیں تفریح کے لیے آنے والوں سے کھانے کو مزے دار چیزیں مل جایا کرتی تھیں۔ اگر بندر کبھی کہیں دور نکل جاتے اور شام ہوجاتی تب وہ کسی بڑے گھنے درخت پر بسیرا کر لیتے تھے۔

القصہ گاؤں میں بندروں کا وقت بہت اچھا گزر رہا تھا اور وہ بہت خوش تھے مگر ایک روز بنسی بندر کی ساتھی بندریا جب سولر پینل پر چڑھنے لگی تو اسے بجلی کا ایسا جھٹکا (Shock) لگا کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ وہ تو خیر ہوئی کہ بندریا کا بچہ اس کے ساتھ چڑھ نہیں پایا تھا، ورنہ بنسی بندر کو دوہرا غم ہوجاتا۔ اس حادثے کے بعد بندروں پر ایک انجانا خوف طاری ہوگیا اور وہ الیکٹرانک آلات سے دور رہنے لگے تھے۔ اب بنسی بندر پر اپنے پریوار کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ بے بی بندر کی ذمے داری بھی آپڑی تھی۔ ان کے ساتھ کوئی بچے والی بندریا نہیں تھی جو اسے دودھ پلاتی۔ چارو ناچار بنسی بندر کچھ نرم چیزیں چبا چبا کر بے بی بندر کو کھلانے لگا مگر اس کا پیٹ نہ بھرتا اور وہ بھوک کے مارے اپنا انگوٹھا چوس چوس کر رویا کرتا تھا۔

ایک دوپہر سارے بندر ایک گھنے تناور پیڑ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہیں قریب کچے مکان کے باہر ایک سفید خوبصورت بکری اپنے بچوں کو دودھ پلا رہی تھی۔ یہ منظر دیکھ کر بنسی بندر نے سوچا، ''کیوں نہ بکری سے بے بی بندر کو کچھ دن دودھ پلانے کی درخواست کی جائے۔ اگر وہ مان گئی تو بچے کی صحت بن جائے گی۔ وہ فوراً پیڑ سے نیچے اتر آیا اور تیز قدموں سے بکری کی طرف بڑھنے لگا۔ بکری اسے دیکھ کر گھبرا گئی اور بچوں کو لے کر اپنے مکان کی جانب بھاگنے لگی۔ بندر نے چھلانگیں بھر کر اسے رکنے کی التجا کی، ''ارے بکری باجی، بکری باجی، ڈرو مت۔ میں تم سے اپنے بچے کے لیے مدد مانگنے آیا ہوں۔'' بکری بندر کی عاجزی دیکھ کر رُک گئی، ''کیسی مدد بندر بھائی، مجھ سے کیا چاہتے ہو تم۔!؟''

''میرا ایک دودھ پیتا بچہ ہے۔ اس کی ماں کے اچانک مرجانے کی وجہ سے وہ بھوکا پیاسا رہتا ہے اور روز بروز کمزور ہوتا جارہا ہے۔ اگر کچھ دن تم اسے اپنا بچہ سمجھ کر دودھ پلادوگی تو اس کی صحت ٹھیک ہوجائے گی اور وہ بہت جلد کھانا شروع کردے گا۔'' ماں تو ماں ہوتی ہے۔ اسے بچوں سے پیار ہوتا ہے۔ بے بی بندر کی پتا سن کر بکری کا دل بھر آیا اور اس نے فوراً ہامی بھرلی، ''ٹھیک ہے، تم اپنے

بچے کو لے آؤ۔!'' بنسی بندر اسی وقت پیڑ پر چڑھا اور اپنے بے بی کو گود میں بٹھا کر لے آیا۔

بکری نے اسے اپنے بچے کی طرح پیٹ بھر دودھ پلانے کے بعد بندر سے کہا،''اسے روز لے آنا مجھے کسی کے کام آنے میں بڑا سکھ ملتا ہے۔''

بکری کی باتیں سن کر بندر بہت خوش ہوا،''شکریہ بکری باجی، بہت بہت شکریہ۔''

اس کے بعد جب بکری اپنے بچوں کے ساتھ دوپہر کو میدان میں نکلتی، بنسی بندر اپنے بے بی کو پیٹھ پر بٹھا کر اس کے پاس لے آتا اور بکری اسے خوش دلی سے دودھ پلا دیتی۔ یہ سلسلہ جاری رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے بے بی بندر صحت مند اور توانا ہوگیا۔ وہ اپنے بڑوں کے ساتھ چھلانگیں بھر کے اپنی پسند کی چیزیں کھانے پینے لگا تھا۔ اب بنسی اسے کبھی کبھار ہی دودھ پلانے لے جاتا۔ مگر بکری جب بھی اپنے بچوں کو دودھ پلایا کرتی اسے بے بی بندر کا خیال آجاتا اور وہ دل ہی دل میں اس کا انتظار کیا کرتی۔

گرمی کا موسم رخصت ہو رہا تھا، بارش کی آمد آمد تھی۔ جب پہلی بارش ہوئی اور کالے بادل آنے شروع ہوگئے تو بنسی بندر نے اپنی ٹولی سے کہا،''اب بارش شروع ہوچکی ہے۔ ہم کل صبح اپنے جنگل لوٹ جائیں گے۔ یہ سن کر بے بی بندر نے قریب آکر کہا،''بابا، بابا، ہم جانے سے پہلے بکری امّی سے مِل آئیں گے۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں بیٹا، تم نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ چلو ابھی چلتے ہیں۔'' اور وہ دونوں اپنی محسن سے ملنے نکل کھڑے ہوئے۔

دوپہر کا وقت تھا، بکری معمول کے مطابق مکان کے سامنے میدان میں اپنے بچوں کو دودھ پلا رہی تھی۔ اچانک ادھر دو تین کتے آنکلے اور اسے گھیر لیا۔ بکری گھبرا کر چیخنے چلانے لگی اور بچے ڈر کے مارے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ کتے انھیں دبوچنے کے لیے ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں بنسی اور بے بی بندر وہاں پہنچ گئے اور یہ صورتِ حال دیکھتے ہی وہ لمبی لمبی چھلانگیں مارتے ہوئے سیدھے کتوں پر ٹوٹ پڑے اور پلک جھپکتے میں انھیں پچھاڑیں دے کر دور تک بھگا دیا۔ اس جھڑپ میں بے بی بندر کو کچھ زخم بھی آئے مگر وہ بہت خوش تھا کہ اسے بکری امی کے دودھ کا حق ادا کرنے کا ایک موقع مل گیا۔ بکری نے انھیں پُرنم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا،''اگر تم لوگ وقت پر نہ آتے تو شاید یہ ظالم کتے میرے بچوں کو مار ڈالتے۔''

بنسی نے بچوں کو پیار کرتے ہوئے کہا،''نہیں نہیں باجی، زندگی اور موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

پھر جب بے بی بندر نے بکری کا ماتھا چوم کر اسے جنگل جانے کی خبر سنائی تو اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے بے بی بندر کو گلے لگا کر خوب پیار کیا اور سلامتی کی دعائیں بھی دیں۔

فضا خاموش تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے وقت تھم سا گیا ہو۔ بنسی، بے بی بندر اور بکری کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اپنائیت اور محبت کے آنسو۔!!

■

**Saleem Khan Ismail Khan**
Millat Nagar
Faizpur- 425503
Distt.: Jalgaon (Maharashtra)
Mob.: 9730573897
khansaleem0313@gmail.com




# سارہ



زیب النساء

کہانیاں

**اگر دل** میں خالق کی سچی محبت ہو تو وہ اپنے آپ ہی مل جاتا ہے۔ مریم آپا نے ان دو لفظوں کے ساتھ بات ختم کی، تبھی سارہ بولی ''مریم آپا آپ روز ایک ہی بات کہتی ہیں۔ کبھی کوئی نئی بات کیوں نہیں؟'' سارہ کی بات سن کر مریم آپا بولیں، ''بیٹی آج اتنا ہی!'' یہ کہتے ہوئے مریم آپا کمرے سے باہر چلی گئیں۔

مریم آپا ایک نیک اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ کبھی ایک بڑی حویلی میں راج کیا کرتی تھیں، مگر شوہر کے انتقال کے بعد دھن دولت کا بٹوارہ ہوگیا۔ وہ بیچاری اکیلی! جو کچھ رقم شوہر کے انتقال کے بعد ان کے حصے میں آئی اسے بچا کر انھوں نے ایک یتیم خانہ کھولا اور ہر شام وہاں جا کر بچوں کو قصے کہانیاں سنانے لگیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ مریم آپا کو وہاں رہنے والے سبھی بچے محبت کرنے لگے۔ کوئی آئی ماں، تو کوئی آنٹی ماں کہتا، مگر سارہ انھیں مریم آپا کہہ کر بلاتی تھی۔ وہ سب بچوں میں ذہین لڑکی تھی، اس کی ہر بات میں ایک سوال ہوتا تھا۔

ایک دن موسم بڑا سہانا تھا۔ سب بچوں نے مریم آپا سے پکنک جانے کی ضد کی۔ مریم آپا مان گئیں۔ اگلے دن وہ سب بچوں کو لے کر چڑیا گھر پہنچیں۔ وہاں پہنچ کر مریم آپا نے سب بچوں سے کہا، ایک ساتھ رہنا! دھیان رہے کوئی بھی اپنی مرضی سے ادھر ادھر نہ جائے، بچے مان گئے۔ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے، بھالو، شیر، ہاتھی دیکھنے اور گھومنے میں مست ہوگئے۔ بھیڑ زیادہ تھی اس لیے مریم آپا نے بچوں سے کہا۔ اب زیادہ دیر رکنا ٹھیک نہیں۔ چلو واپس! بچوں نے مریم آپا کا کہنا مانا اور وہ سب ان کے ساتھ چل دیے۔

مریم آپا کے ساتھ سبھی بچے بس میں بیٹھ گئے اور کچھ دیر کے بعد اپنے گھر پہنچے، لیکن یہ کیا؟ مریم آپا بچوں کی گنتی کرتے وقت ایک دم چونکیں، ان میں سارہ کہیں نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ گھبرا کر بولیں ''سارہ کہاں ہے؟''

کسی بچے نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ واپس چڑیا گھر پہنچیں، سارہ کو ڈھونڈنے لگیں۔ مارے گھبراہٹ کے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انھیں روتا دیکھ کر گارڈ نے پوچھا، اماں کیوں رو رہی ہو؟

تو مریم آپا نے روتے ہوئے ساری بات بتائی۔ گارڈ بولا، فکر نہ کریں، میں ابھی اندر جا کر سارہ کو ڈھونڈ کر

لاتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے گارڈ چڑیا گھر کے اندر پہنچا۔ تمام کوششوں کے بعد بھی سارہ کا کہیں پتہ نہ چلا۔ وہ تھکے قدموں سے لوٹا اور مریم آپا سے آکر بولا ''اماں سارہ تو مجھے کہیں نظر نہ آئی۔''

گارڈ کی بات سن کر مریم آپا بولیں، تم یہیں ٹھہرو، میں اندر جاتی ہوں۔ یہ کہتی ہوئی مریم آپا چڑیا گھر کے اندر پہنچیں۔ انھوں نے پنجرے کی طرف نظر دوڑائی۔ میدان، تالاب، ہر طرف۔ سارہ کا نام لے کر پکارا۔ جب وہ نہیں ملی تو مریم آپا نے دل ہی دل میں کہا ''اے میرے رب میری مدد کیجیے، مجھ بوڑھی پر رحم کیجیے۔'' یہ کہتے ہوئے انھوں نے آنسو پونچھے، اور واپس لوٹنے کے لیے جیسے ہی مڑیں، حیران رہ گئیں۔ سارہ دور ایک پنجرے کے پاس کھڑی رنگ برنگے پرندوں کو ایک ٹک دیکھ رہی تھی۔

وہ سارہ کی طرف دوڑیں، سارہ میری بچی تم یہاں ہو؟ میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔ انھوں نے سارہ کو گلے لگا لیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انھیں روتا دیکھ کر سارہ بولی، مریم آپا کیوں رو رہی ہیں؟ میں تو بس ان پیارے پیارے پرندوں سے بات کرکے باہر آنے ہی والی تھی۔ سارہ کی بات سن کر اب تو مریم آپا کو غصہ آ گیا، وہ بولیں، شام ہو چکی ہے سب بچے گھر پہنچ چکے ہیں۔ تم یہاں اکیلی رہ گئی ہو، واپس کیسے آئیں؟

یہ کہتے ہوئے مریم آپا سارہ کو لے کر گھر پہنچیں اور وہاں پہنچ کر انھوں نے اسے خوب ڈانٹا۔ سزا کے طور پر آج تم مجھ سے بات مت کرنا۔ مریم آپا کی بات سن کر سارہ رونے لگی۔ آپ نہیں جانتیں کہ پرندے مجھے کتنے اچھے لگتے ہیں اس لیے میں انھیں دیکھنے کی وجہ سے آپ سب کو بھول گئی۔ مجھے معاف کر دیجیے۔ اب ایسی غلطی نہیں ہوگی۔ اس موقع پر مریم آپا نے سارہ کو کچھ بزرگ اور نیک لوگوں کے قصے سنائے۔ سارہ ان کی باتوں کو غور سے سنتی رہی۔ آخر میں اس نے کہا اب میں ہمیشہ ان بزرگوں کے اقوال کو یاد رکھوں گی اور ان کی روشنی میں اپنی زندگی کو بہتر بنانے کی حتی الامکان کوشش کروں گی۔

■

**Zaibunnisa**
A-1, 4th Floor, M M Apartment,Okhla Vihar
Jamia Nagar,New Delhi - 110025
Mob.: 9899005083

## جواب

1. 14 نومبر کو
2. 20 نومبر کو
3. سی پی رادھا کرشنن
4. Indian Knowledge System
5. 11 نومبر 1988
6. جون، اپریل، ستمبر اور نومبر
7. پرانا: Anglo Arabic College، موجودہ: ذاکر حسین دہلی کالج
8. کرشن چندر نے
9. پریم چند
10. طبیعیات
11. بحرالکاہل (Pacific Ocean)
12. آسٹریلیا (Australia)
13. اتر پردیش
14. مظفر پور، بہار کو
15. جلد
16. دو
17. سانپ
18. مارٹینا نیوراٹیلوا، مسلسل 6 مارچ، 1987-1082 تک
19. ویبھو سوریہ ونشی
20. انڈیا





حبیب سیفی

کہانیاں

# امیدوں کا چراغ

**کسی** قصبے میں عادل نام کا ایک لڑکا اپنے ماں باپ کے ساتھ خوشی خوشی رہتا تھا۔ بچپن سے ہی وہ ٹیچر بننے کی باتیں کرتا تھا۔ پرائمری سے آگے نویں کلاس اس نے اچھے نمبروں کے ساتھ پاس کی تھی، میٹرک کا امتحان بھی وہ امتیازی نمبروں سے پاس کر چکا تھا۔ اب وہ مقابلہ جاتی امتحان دینے کی تیاری میں لگا ہوا تھا۔ اس کے ابا بھی اسے ٹیچر بنانا چاہتے تھے، اسی لیے وہ خاص طور پر اس کی پڑھائی پر بہت زور دیتے تھے۔

بچے کو ٹیچر بنانے کی خواہش اس کی امی کی بھی تھی۔ اسی لیے وہ بے جا لاڈ پیار اور اس کی تمام خواہشات کو پوری کر دیا کرتی تھیں۔ والد دن رات عادل کی اچھی پڑھائی کے لیے پیسہ جمع کر رہے تھے۔

وہ اپنے بیٹے کی مہنگی ٹیوشن فیس اس امید پر ادا کر رہے تھے کہ بیٹا آگے چل کر ایک ٹیچر بننے کے ساتھ کامیاب انسان بھی بنے گا۔ اس سے نہ صرف ان کا سر اونچا ہوگا، بلکہ محلے میں ان کی عزت میں مزید اضافہ ہوگا۔ مگر عادل کو اپنے والدین کی ان خواہشات کی ذرہ برابر پرواہ نہ تھی۔ نویں کلاس کے بعد ہی گھر میں اپنی امی سے منھ زوری کرنے لگا تھا، ابا کی باتوں کی وقعت اس کی نظروں میں زیرو تھی، اس لیے وہ اپنی طرح سے زندگی گزار رہا تھا۔

یہ الگ بات ہے کہ وہ پڑھائی لکھائی میں ہوشیار تھا، نویں اور دسویں میں اس کے نمبر اس کے بقیہ ساتھیوں سے اچھے تھے، لیکن کہتے ہیں ناصحبت کا اثر ایک نہ ایک دن اپنا اثر ضرور دکھا تا ہے۔ اچھوں کی صحبت اچھا اور بروں کی صحبت برا بنا دیتی ہے۔ عادل کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ مالدار والدین کے بچوں کی صحبت نے عادل کو بھی برا بنا دیا۔

دسویں کے بعد اس کا ذہن پڑھائی لکھائی سے اچاٹ ہو چلا تھا۔ عادل ٹیوشن کے بہانے اپنے دوستوں کے ساتھ وقت برباد کرتا، گھومتا پھرتا اور کھانے پینے میں ہمیشہ مشغول رہتا۔ اس کے ابا نے اسے دوستوں کے ساتھ موج مستی کرتے دیکھ بھی لیا تھا، مگر لڑکا چونکہ دسویں پاس کر چکا تھا اس لیے سختی سے پیش آنا مناسب نہ سمجھا۔ عادل کے اس غیر ذمے دارانہ رویے اور پڑھائی سے

لاپروائی انھیں پریشان کیے رہتی۔

ایک شام عادل گلی کے کونے پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کھڑا تھا، پڑوسی نے شکایت کی، کہ آپ کا بیٹا محلے کی خواتین کو دیکھ کر بھی راستے سے نہیں ہٹتا۔ رات کو سوتے وقت عادل کے ابو اس کی تمام شکایتوں کو اس کی امی سے بتا رہے تھے۔ والدین کی نگاہیں ابھی تک دروازے پر لگی تھیں کہ عادل ابھی آئے گا۔

بچپن سے ہی عادل اپنے ماں باپ کی خوشیوں کا واحد ذریعہ تھا، مگر بڑے ہونے کے ساتھ دوسرے بچوں کی طرح وہ بھی رئیسانہ انداز سے جینے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ محلّہ بھر کی شکایتیں، پڑھائی کے نام پر اسکول ڈریس پہنے سیر وتفریح، دوستوں کے ساتھ بیہودہ گفتگو نے اس کے ماں باپ کو بری طرح توڑ دیا تھا، اس موقعے پر سوائے غم اور افسوس کے ان کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔

دیر رات گئے عادل آہستہ سے گھر میں داخل ہوا، اپنے کمرے کی جانب بڑھا تو اسے ماں باپ کے باتیں کرنے کی آواز آئی۔ اس کی امی کہہ رہی تھیں، ''عادل جب پانچویں جماعت میں تھا تو ایک دن کھیل کھیل میں کہنے لگا کہ میں ٹیچر بنوں گا۔'' بس اسی روز سے ہم نے عادل کی ضد کو اپنے جینے کا مقصد بنا لیا تھا۔ اس بات کے لیے میں نے آپ کو بھی راضی کر لیا تھا کہ ہمیں مل کر اس کی ٹیچر بننے کی خواہش کو پایۂ تکمیل تک لے جانا ہے۔

آپ نے میرا ساتھ دیا، رات و دن محنت کی، اسے ٹیچر بنانے میں کتنی بھی فیس اور مہنگی کتابیں خریدنی پڑیں سب قبول کیا۔ لیکن اب کریں تو کیا کریں عادل کو اب ہماری خواہشات کا احساس بھی نہیں ہے۔

والدین کی زبانی یہ باتیں عادل نے جس وقت سنیں تو اس کے بدن میں لرزہ طاری ہوگیا، مانو زمین سے عادل کے پاؤں چپک گئے ہوں۔ اسے اپنے دوستوں اور محلے کے لڑکوں کے ساتھ بیکار میں گزارے وقت کا احساس ہوا۔ اس نے سچے دل سے توبہ کی کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔

اسی رات اس نے ارادہ کر لیا کہ اب وہ ایسے دوستوں سے نہیں ملے گا جن کی بدولت اسے ذلت کے دن دیکھنے پڑے۔ کہتے ہیں جب کوئی بھی بچہ بڑے سے بڑے کام کو دل سے ٹھان لیتا ہے تو اسے کرنے میں بھی مزہ آتا ہے، اگر نیک جذبے سے کوئی کام کیا جائے تو اس میں کامیابی بھی ملتی ہے۔ اب عادل وقت پر ٹیوشن جانے لگا، بارہویں کلاس میں اچھی پوزیشن حاصل کی، کالج میں داخلہ لیا، کچھ ہی برسوں میں اپنی محنت اور لگن سے وہ پھر اپنے ماں باپ کا چہیتا بن گیا۔

عادل کے مزاج اور طرز زندگی میں آئی ان تبدیلیوں، پڑھائی کے متعلق کی جانے والی کوششوں سے اس کے دوستوں کو اندازہ ہو چکا تھا کہ عادل ضرور کچھ بڑا کرے گا۔ کئی دوست محسوس بھی کر چکے تھے کہ عادل اپنے ماں باپ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے لگا ہے، دیکھتے ہی دیکھتے ایک دن اس کا نام ٹیچروں کی لسٹ میں شمار کیا گیا۔ اس طرح ماں باپ کی 'امیدوں کا چراغ' پھر سے روشن ہوگیا۔

■

**Dr.Habib Saifi**
E12/51B First Floor Hauzrani
Malviya Nagar
New Delhi-110017
Mob.: 7838038973
Emil: habeebsaifi@gmail.com

افزا خاتون



# گرمی کی چھٹیوں کے دو رنگ

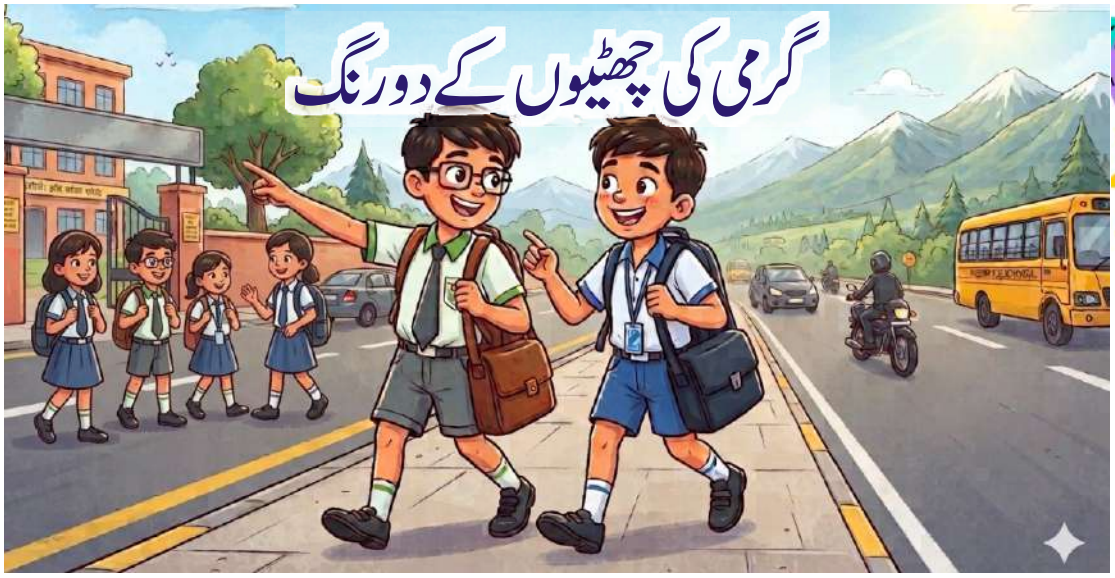

**گرمی** کا موسم ہو یا برسات، دونوں ہی بچوں کے بہت پسندیدہ موسم ہوتے ہیں۔ موسم گرما میں طرح طرح کے آم کھانے کا الگ ہی مزہ ہوتا ہے اور اسکول کی چھٹیوں کا بھی شدت سے انتظار ہوتا ہے۔ جب کہ برسات میں بارش کی ٹپ ٹپ کرتی ہوئی بوندیں اور ہریالی دل کو بہت سکون بخشتی ہے۔

ساجد اور حامد کے اسکول کا آج آخری دن تھا۔ اسکول میں کافی چہل پہل تھی۔ بچے خوب مستیاں کر رہے تھے۔ امتحانات ختم ہو چکے تھے اور آج ان کا رزلٹ بھی آ گیا تھا۔ دونوں نے اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی تھی جس کی خوشی ان کے چہروں سے صاف ظاہر ہو رہی تھی۔ دونوں کے گھر ایک دوسرے سے زیادہ دور نہیں تھے اسی وجہ سے ان کا پڑھنا، کھیلنا اور گھومنا ایک ساتھ ہوتا تھا۔ اکثر اسکول بھی ساتھ ساتھ آتے جاتے تھے۔ اسکول بند ہونے کا وقت آ گیا تھا۔ گھنٹی بجی اور دونوں گیٹ کی طرف دوڑے۔

اسکول سے نکلتے ہی حامد نے بڑے جوش سے کہا ''معلوم ہے ساجد! اس مرتبہ چھٹیوں میں ہم کشمیر گھومنے جائیں گے۔ ابو بتا رہے تھے کہ وہاں چنار کے گھنے لمبے لمبے درخت ہیں۔ دیودار اور صنوبر کے بھی درخت وہاں پر ہوتے ہیں۔ سیب، دوسرے میووں اور زعفران کے بھی بہت سے باغات ہیں۔ بڑی بڑی جھیلیں ہیں، جن میں شکارا اور ہاؤس بوٹ چلتی ہیں۔ ہاؤس بوٹ کی تو اپنی الگ ہی خصوصیت ہوتی ہے۔ یہ دیودار کی لکڑی سے بنی ہونے کے ساتھ ساتھ اس پر کشمیری نقاشی بھی ہوتی ہے۔ سیاحوں کے رہنے، کھانے پینے کا انتظام بھی اسی میں ہوتا ہے۔ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر جھیل کی سیر کرتے ہیں۔ خوب مزے بھی کرتے ہیں۔ ڈل جھیل اور وولر جھیل وہاں کی خوبصورت جھیلیں ہیں۔ جھیلوں کے کنارے چھوٹی چھوٹی دکانیں بھی ہوتی ہیں۔ وہاں سونمرگ، گلمرگ، پہلگام، وادی نیلم، وادی کشمیر، وادی چناب اور مغل باغات بھی سیر کرنے کو ملیں گے۔ کشمیر کی پہاڑیوں اور وادیوں کی



خوبصورتی دنیا بھر میں بہت مشہور ہے۔ اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اسے جنت نظیر اور زمین پر جنت کہا جانے لگا۔

وہ ذرا رکا اور پھر خوشی سے بولا: میں تو خوب انجوائے کروں گا، سیلفیاں بھی لوں گا۔ شکارا اور ہاؤس بوٹ پر تو ضرور بیٹھوں گا۔ برفیلی پہاڑیوں کا خوبصورت منظر دیکھوں گا اور برف سے کھیلوں گا بھی۔ کشمیر کے لذیذ اور مشہور کھانے روغن جوش، وازوان کا ذائقہ بھی چکھوں گا۔ وہاں کی ہر چیز کو غور سے دیکھوں گا۔ پھر تمھیں ایک ایک چیز کے بارے میں بتاؤں گا۔ میں تو تمھارے لیے کشمیر سے ایک خوبصورت تحفہ بھی لاؤں گا۔

ساجد اس کی باتیں خاموشی اور غور سے سن رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا، نہ جانے ہم کشمیر کب جائیں گے اور ایسا خوبصورت نظارہ کب دیکھیں گے۔ حامد کی باتیں سنتے سنتے اس کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہ ہر چیز کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو۔

حامد نے پوچھا ''دوست! تمھارا کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

کہیں نینی تال تو نہیں؟

اس کے اس سوال سے ساجد اپنے خیالوں سے باہر آ گیا۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا: نہیں نہیں، میں تو اس مرتبہ اپنے دادا جان کے گاؤں جاؤں گا۔ پہلے بھی وہاں کئی بار جا چکا ہوں۔ وہاں کی صبح کا منظر بہت ہی خوبصورت ہوتا ہے خاص کر وہ وقت جب سورج طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ آسمان پر ہلکی ہلکی سرخی پھیلی ہوتی ہے۔ پرندے چہچہانے لگتے ہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہوتی ہے۔ گاؤں میں آم کے بڑے بڑے، ہرے بھرے اور گھنے درخت ہوتے ہیں۔ جامن کے بھی پیڑ ہوتے ہیں جن میں گرمیوں میں کالے کالے جامن لگے ہوتے ہیں۔ چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی ہوتی ہے۔ برسات کے موسم میں درختوں کے پتے دھل کر صاف ستھرے ہو جاتے ہیں۔ چنبیلی، موگرا، رات کی رانی اور بھی کئی طرح کے پھول دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کچی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو بھی آتی ہے۔ بارش کے موسم میں کئی جگہ پیڑ کی ڈالیوں میں جھولے لٹکے ہوئے ملتے ہیں، بچے اور بڑے خوب جھولا جھولتے ہیں اور اپنی مقامی زبان میں کوئی گیت بھی گاتے ہیں۔ میرے دادا جان کا گھر کافی بڑا ہے اور اس کا صحن بہت کشادہ ہے۔ شام ہوتے ہی سارے بچے گھر کے اندر آ جاتے ہیں، پھر سب مل کر اپنا پسندیدہ کھیل بھی کھیلتے




ہیں۔سوتے وقت دادی جان بہت سی کہانیاں سناتی ہیں۔

''اور آم؟'' حامد نے فوراً پوچھا۔

''آم تو بہت ہوتے ہیں!'' ساجد خوش ہو کر بولا۔ دسہری، چونسہ، لنگڑا، دیسی، سفیدا اور نہ جانے کتنی قسمیں! مجھے تو ابھی سب کے نام بھی یاد نہیں۔ ہر آم کا ذائقہ اپنی جگہ لاجواب ہوتا ہے۔ چونسہ آم کی خوشبو تو دور تک پھیل جاتی ہے اور یہی آم مجھے بہت پسند بھی ہے۔ میں تمھارے لیے بہت سے آم لے کر آؤں گا۔

ساجد نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: گرمیوں میں کوئل کی کوکو کی آواز بھی سننے کو ملتی ہے۔ بارش میں یہ آواز بہت اچھی لگتی ہے۔ مینڈک ٹرٹر کرتے ہیں۔ پپیہا بھی اپنی سریلی آواز میں پیہو پیہو بولتا ہے۔ مور بھی خوشی سے ناچتا ہے۔ بارش ہوتے ہی چھوٹے چھوٹے بچے کاغذ کی کشتیاں بناتے ہیں اور کسی جگہ ٹھہرے ہوئے پانی میں اس کو چلاتے ہیں۔ ہاں! میں ندی کا ذکر کرنا تو بھول ہی گیا۔ میرے دادا جان کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک ندی بھی ہے جو برسات کے موسم میں پانی سے اوپر تک بھر جاتی ہے۔ آس پاس کے کھیتوں اور کھلیانوں میں پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ لوگ اس میں مچھلیاں پکڑتے ہیں اور نہاتے بھی ہیں۔

باتیں کرتے کرتے راستے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ دونوں خوب باتیں کرنا چاہتے تھے لیکن آج ایسا محسوس ہوا جیسے اسکول سے گھر کا فاصلہ مختصر ہو گیا ہو۔ حامد کا گھر قریب آچکا تھا۔ وہ ساجد کی باتوں میں خاصی دلچسپی لے رہا تھا، مگر گھر قریب آنے کی وجہ سے آگے بڑھتے ہوئے بولا:

''اچھا ساجد! چھٹیوں کے بعد پھر ملتے ہیں۔ بائے ! اللہ حافظ

ساجد نے مسکرا کر جواب دیا۔

''اللہ حافظ۔''

دونوں دوست اپنے اپنے گھروں کی طرف چل پڑے۔ گھر پہنچ کر دونوں نے اپنے اپنے والدین کو اسکول کے آخری دن اور رزلٹ کے بارے میں بتایا۔ پھر جانے کی تیاری شروع ہو گئی۔ حامد اپنے کمرے میں آکر سوچنے لگا کہ کشمیر جاتے وقت کپڑوں کے ساتھ اپنا چھوٹا کیمرا بھی لے کر جاؤں گا۔ وہ وہاں کی ہر ایک چیز کو اپنے کیمرے میں قید کر لینا چاہتا تھا۔ دوسری طرف ساجد بھی اپنے سامان کی تیاری میں لگ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا گاؤں پہنچتے ہی سب سے پہلے اپنے دادا جان سے ملوں گا پھر آموں کے باغ کی سیر کو نکلوں گا۔ اسے درختوں پر جھولا جھولنے اور بارش کے بعد مٹی کی سوندھی خوشبو محسوس کرنے کا بے حد انتظار تھا۔ ان کے دلوں میں چھٹیوں کے خوبصورت دنوں کے خواب سجے ہوئے تھے۔ حامد کو کشمیر کی خوبصورت وادیاں پکار رہی تھیں اور ساجد کو گاؤں کی ہریالی اپنی طرف بلا رہی تھی۔ کل روانگی تھی لیکن ان کا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر جلدی سے اس جگہ پر پہنچ جائیں۔ رات کا آدھا حصہ گزر چکا تھا لیکن آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

■

**Afza Khatoon**
Hind Pharma, Shop No-4
Below Alam Nagar, Railway Bridge,
Alam Nagar Road, Raja ji Puram
Lucknow - 226017 (U.P)
Mob.: 7317836988
afzarizvi76@gmail.com

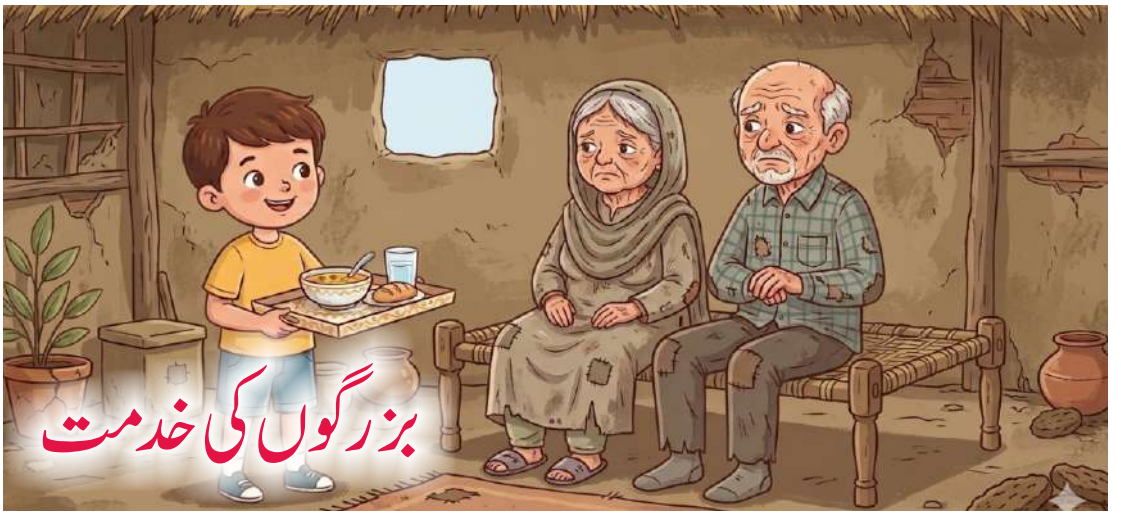

# بزرگوں کی خدمت

''بیٹے علی..... ذرا یہ کھانا دادا نور محمد کے گھر دے آؤ'' علی کی امی نے کچن سے آواز دی۔ علی بیٹھا موبائل پر کوئی ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ وہ ویڈیو دیکھنے میں اتنا مصروف تھا کہ اس نے جواب ہی نہیں دیا۔ اس کی امی کچن سے نکل کر کمرے میں آئیں اور کہا ''میں نے کیا کہا، سنائی نہیں دیا... علی؟'' علی نے ویڈیو روکتے ہوئے کہا ''سوری امی... مجھے سنائی نہیں دیا، کیا کہہ رہی تھیں آپ۔''

میں نے کہا کہ ''دادا نور محمد کے گھر کھانا دے دو بیٹا۔''

''لیکن امی... ابھی میں ویڈیو دیکھ رہا ہوں، بعد میں دے دوں گا۔ آپ کو تو معلوم ہے امی کہ میں ہفتہ بھر مصروف ہوتا ہوں۔ ایک اتوار کا دن تو ہوتا ہے جس میں میں کھیل کے ساتھ کچھ وقت موبائل دیکھ لیتا ہوں۔'' علی نے جواب دیا ''آپ کی بات ٹھیک ہے بیٹے، لیکن دیکھو کل پڑوس والی آنٹی آئی تھیں تو بتا رہی تھیں کہ دادی کی طبیعت خراب ہے۔ اس لیے میں نے سوچا معلوم نہیں اب ان کی طبیعت کیسی ہو؟ کھانا پکا پائیں یا نہیں، اسی لیے میں نے دونوں کے لیے کھانا تیار کر دیا ہے۔''

''اچھا... کیا دادی کی طبیعت خراب ہے؟ لائیے امی ابھی دے کر آتا ہوں۔'' موبائل بند کرتے ہوئے علی نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی امی نے کہا ''شاباش میرے بیٹے'' اور جلدی جلدی کچن میں گئیں اور کھانے کے برتن لے آئیں۔ علی نے وہ برتن لیے اور چپل پہن کر دادا نور محمد کے گھر کی طرف چل دیا۔

دادا نور محمد اس محلے کے بزرگ تھے، ان کو کوئی اولاد نہیں تھی۔ جب تک صحت اچھی تھی نور محمد قریب کے اسکول کے پاس بیٹھ کر بچوں کی کھانے پینے کی کچھ چیزیں چنے، چاکلیٹ وغیرہ بیچ کر اپنے اور اپنی بیوی کے اخراجات پورے کر لیتے تھے۔ ادھر کچھ دنوں سے وہ کافی کمزور ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے وہ روزانہ کھانے پینے کی چیزیں بیچنے کے لائق نہیں تھے، اس لیے ان کے گھر میں معاشی تنگی آ گئی تھی۔

علی جب نور محمد کے گھر پہنچا تب دوپہر کے ایک بج رہے تھے۔ علی نے دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے آواز آئی




''کون؟'' جواب دیا ''علی''۔ اندر سے آواز آئی ''ارے علی بیٹے... آؤ.... اندر آؤ۔ علی اندر داخل ہوا دیکھا کہ چولہا بجھا ہوا ہے۔ دادی بخار سے پریشان ہیں، اور درد سے کراہ رہی ہیں۔ دادا نور محمد بھوک سے نڈھال روکھی روٹی پانی میں بھگو کر کھانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ علی یہ منظر دیکھ کر غمزدہ ہو گیا، قریب تھا کہ اس کی آنکھیں چھلک پڑتیں۔ اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا ''ارے دادا جان، آپ یہ کیا کھا رہے ہیں۔ یہ لیجیے میں آپ کے لیے گرما گرم کھانا لایا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے علی قریب ہی رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ علی کی امی نے گرم گرم پلاؤ دیے تھے۔ نور محمد نے پلیٹ میں چمچے سے کھانا نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ وہ اتنی رفتار سے کھائے جا رہے تھے، جیسے وہ کئی دن سے بھوکے ہوں۔ جب آدھا کھانا ہو گیا تب ان کا دھیان علی کی طرف گیا اور انھوں نے علی سے مخاطب ہو کر کہا ''ارے علی بیٹا، میں نے تو تمھیں کھانے کے لیے بلایا تک نہیں۔ آؤ، بیٹے! آپ بھی کھاؤ ہمارے ساتھ، نہیں دادا جی! آپ کھائیے اور ہاں دادی کی طبیعت بہت خراب لگ رہی ہے۔ کیا ہوا انھیں؟ علی نے دادی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ نور محمد نے جواب دیا ''بیٹے ان کو کل سے بخار ہے اور ہاتھ پیروں میں درد بھی ہے۔ میں نے انھیں قریب کے میڈیکل سے کروسین کی گولی لا کر دی ہے، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے۔ علی نے سوچا تب تو انھیں ڈاکٹر کو دکھانا چاہیے۔ دادا جی آپ اطمینان سے کھانا کھا لیجیے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر علی گھر آیا اور امی سے صورت حال بیان کی۔ اس وقت تک اس کے ابو بھی گھر آ چکے تھے۔ انھوں نے پوری روداد سنی تو کہا ''چلو بیٹے آپ نور محمد دادا کے گھر پہنچو اور ان سے کہنا کہ ابو ڈاکٹر کو لانے گئے ہیں۔ علی نے نور محمد کے گھر پہنچ کر ان کو اطلاع دی۔ آدھے گھنٹے میں ہی علی کے ابو ڈاکٹر ریاض کو لے کر پہنچ گئے۔ ڈاکٹر ریاض نے چیک اَپ کیا اور کہا بخار بہت تیز ہے۔ تین دن کی دوائی دیتا ہوں ان شاء اللہ بخار اور درد جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے دوائی کی چٹھی لکھی اور علی کے والد صاحب کو دی۔ علی کے ابو نے چٹھی اور کچھ پیسے علی کو دیتے ہوئے کہا ''بیٹے میں ڈاکٹر صاحب کو لے کر چلتا ہوں۔ آپ میڈیکل سے یہ دوائی لا کر دادی کو کھلا دینا اور ہاں گھر سے دودھ بھی لا کر پلا دینا'' علی نے کہا ''جی ابو''۔ علی میڈیکل گیا اور دوائی لے کر آیا۔ دادی کو دوائی کھلائی اور گھر سے دودھ لا کر پلا دیا۔ نور محمد نے علی اور ان کی فیملی کو ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ دادی اب سو گئی تھیں۔ علی نے کہا ''دادا جی میں چلتا ہوں انشاء اللہ شام میں آؤں گا آپ بھی آرام کیجیے۔'' علی، نور محمد کے گھر سے نکلا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

گھر جاتے ہوئے اس کے ذہن میں بے شمار خیالات گردش کر رہے تھے۔ علی کے دادا دادی اس دنیا میں نہیں تھے، اس لیے بھی وہ بزرگوں کی بہت عزت و خدمت کیا کرتا تھا اور نور محمد اور ان کی بیوی کے پاس تو اس کا بچپن گزرا تھا، اس لیے اسے نور محمد اور ان کی بیوی سے دلی انسیت تھی۔ علی نویں جماعت کا طالب علم تھا، وہ نیک لڑکا تھا۔ اس کے دوست خالد اور عمیر کا شمار بھی اچھے اور نیک بچوں میں ہوتا تھا۔

علی بیشک اپنے گھر کی طرف رواں دواں تھا، مگر بھوک کی حالت میں نور محمد کا تیزی سے کھانا کھانا اور دادی

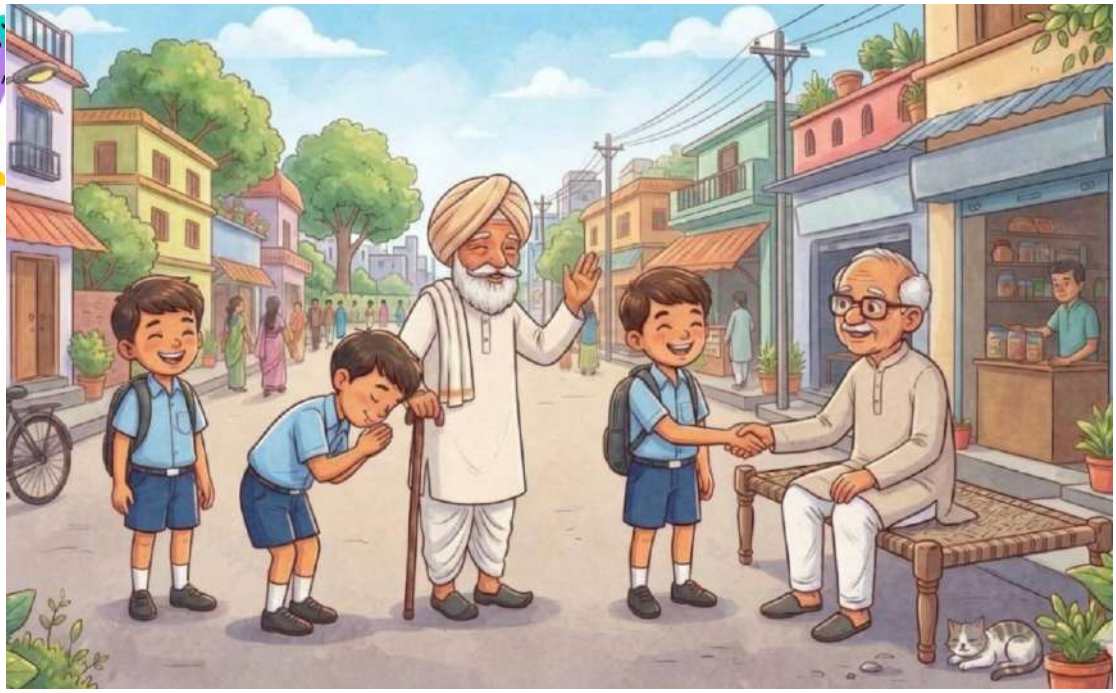

کا بخار میں پھنکتا چہرہ اور درد سے کراہنا، یہ مناظر اسے رہ رہ کر یاد آرہے تھے۔ اس نے سوچا اچھا ہوا کہ وہ موبائل چھوڑ کر امی کا کہنا مان لیا اور دادا کے گھر پہنچ گیا۔ اس بات پر وہ دل ہی دل میں اپنے رب کا شکر بھی ادا کر رہا تھا اور اپنے امی ابو کی بزرگوں سے ہمدردی کے رشتے کو بھی وہ بھول نہیں پا رہا تھا کہ اچانک وہ کب گھر پہنچ گیا اسے پتہ بھی نہ چلا۔

علی اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر یہ عزم کر چکا تھا کہ وہ بھی اپنے والدین کی طرح بزرگوں اور مجبوروں کی مدد کرے گا۔

اب علی اور اس کے دوست ہر مہینے کے پہلے ہفتے میں محلے کے اہل خیر حضرات سے ملاقات کرتے، انھیں نور محمد کے حالات سے آگاہ کرتے اور کچھ رقم وصول کر کے نور محمد کے یہاں مہینے بھر کا راشن اور ضروریات کی چیزیں پہنچا دیتے، بدلے میں دادا دادی کی ڈھیر ساری دعائیں پاتے۔ ان کے اس عمل سے نور محمد کا بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔ محلے کے لوگ بھی ان کے اس عمل سے بہت خوش ہوئے۔

دن گزرتے رہے، تینوں دوست اپنے منصوبے پر عمل کرتے رہے اور تعلیم کی سیڑھیاں بھی نہایت کامیابی سے چڑھتے رہے۔ اللہ کے فضل و کرم اور بزرگوں کی دعاؤں کے نتیجے میں علی ایک کامیاب ڈاکٹر، عمیر ایک انجینئر اور خالد پروفیسر بن گیا۔

■

**Yasmeen Bano**
Akbari Chowk Biyabani
Infront of Ali Hospital, Achalpur
District: Amravati- 444806 (Maharashtra)
Mob.: 9370090295
yasmeenachalpur@gmail.com






انور ہادی جنیدی

کہانیاں

**سورج** غروب ہوتے ہی جنید تیز قدموں سے گھر کی طرف چل پڑا۔ اسے اندھیرا گہرا ہونے سے پہلے گھر پہنچنا تھا، کیونکہ آج بھی اس کے ننھے بچوں کی شام اسی چراغ کی روشنی سے وابستہ تھی۔ گھر کے قریب پہنچتے پہنچتے اسے یاد آیا کہ چراغ میں مٹی کا تیل تو کل ہی ختم ہو گیا تھا۔ گذشتہ کئی ہفتوں سے یہی معمول بن گیا تھا، کبھی کسی دوست سے آدھی ڈبیا، کبھی کسی پڑوسی سے تھوڑا سا مٹی کا تیل مانگ کر رات کا اندھیرا کاٹا جاتا۔ لیکن بار بار کسی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اس کے قدم لڑکھڑانے لگتے تھے۔ جنید کو شدت سے محسوس ہونے لگا تھا کہ اس کے ایسا کرنے سے اب دوستوں کی نگاہوں میں اس کی عزت بھی باقی نہیں رہی۔ لوگ اب ہمدردی سے زیادہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔

آخر کار اس نے اپنے دوست اعظم کبیر سے آدھا لیٹر مٹی کا تیل مانگا۔ اعظم نے خاموشی سے تیل تو دے دیا، مگر اس کے چہرے کے تاثر سے جنید کو بہت تکلیف ہوئی۔ اس نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ خواہ رات کتنی ہی سیاہ کیوں نہ ہو، دوبارہ اس دروازے پر دستک نہیں دے گا۔ وہ آہستہ سے خود کلامی کرنے لگا ''اگر تنہا میری ہی زندگی کا سوال ہوتا تو شاید بھوک، اندھیرا اور محرومی سب کچھ قبول کر لیتا، مگر ان ننھے بچوں کا کیا قصور ہے؟ وہ اندھیرے سے ڈر جاتے ہیں۔ اگر میں ان کی قسمت میں خوشیاں نہیں ڈال سکتا تو کم از کم ایک معمولی چراغ ہی روشن رکھوں تا کہ ان کے دلوں میں خوف کے بجائے امید باقی رہے۔''

گھر پہنچ کر اس نے چراغ میں مٹی کا تیل ڈالا اور ماچس کی تیلی سلگا دی۔ لمحہ بھر میں زردی روشنی کمرے میں پھیل گئی۔ چراغ روشن ہوتے ہی اس کے بچوں کے چہرے بھی جگمگا اٹھے۔ ان کی معصوم مسکراہٹیں گویا تاریک گھر میں چاندنی بکھیرنے لگیں۔ جنید دیر تک انھیں دیکھتا رہا۔ اس کے دل میں خیال آیا ''جس گھر میں ایسے چاند روشن ہوں، وہاں آسمان کے چاند کی آرزو کس لیے؟''



بچوں کے چہروں سے پھوٹتی ہوئی معصوم روشنی اس کی تھکی ہوئی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتی اور دل کی بے شمار الجھنوں پر لمحہ بھر کے لیے مرہم رکھ دیتی تھی۔ رات ڈھلتی رہی۔ چراغ کی لو کبھی تیز ہوتی، کبھی مدھم۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے یہی چراغ اس کے خوابوں کو روشن بھی کر رہا ہے اور خاموشی سے انھیں جلا بھی رہا ہے۔

صبح تو بہت پہلے ہو چکی تھی، مگر جنید کی آنکھ ذرا دیر سے کھلی۔ لگاتار سوچنے سے اسے پوری طرح نیند نہ آئی۔ باہر نکلا تو لوگ اپنے اپنے رزق کی تلاش میں چکر لگا رہے تھے، مگر وہ اپنی ٹوٹی ہوئی قسمت کے سہارے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ آخر کہاں سے شروع کرے۔ جس کام میں اسے مہارت حاصل تھی، وقت نے وہی اس سے چھین لیا تھا۔ دوسرا موقع ابھی تک اس کے دروازے تک نہیں پہنچا تھا۔ اسی سوچ میں تھا کہ اعظم کبیر کا فون آ گیا۔ ''بھائی جنید، ایک اچھی سی فریج خریدنی ہے، تمھارا تجربہ مجھ سے بہتر ہے، ذرا ساتھ چلنا۔'' جنید فوراً تیار ہو گیا۔ بازار پہنچ کر اس نے قیمتوں کا جائزہ لیا، دکاندار سے گفتگو کی اور 25000 روپے والی فریج 22000 میں دلوا دی۔ اس طرح سے اور بھی بہت سے لوگ اس سلسلے میں جنید سے مدد لیتے رہے۔

کام سے فارغ ہو کر جب گھر میں داخل ہوا تو چراغ کی مدھم روشنی حسب معمول کمرے کے ایک گوشے میں لرز رہی تھی۔ بچے اسی زرد روشنی میں اپنے اپنے خیالوں کی دنیا آباد کیے بیٹھے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں پرانی سی کتاب تھی، کوئی ٹوٹی ہوئی گاڑی سے کھیل رہا تھا، اور سب سے چھوٹا بچہ چراغ کے شیشے پر پڑنے والے اپنے ہی عکس کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ جنید نے دروازے سے یہ منظر دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ غربت نے بہت سی نعمتیں چھین لی تھیں، مگر بچوں کی معصومیت ابھی تک سلامت تھی۔ اس کی اہلیہ نے دھیرے سے پوچھا، ''کیا آج بھی کہیں سے مٹی کا تیل ادھار لینا پڑا؟'' جنید نے ہاں میں سر تو ہلا دیا، مگر اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، جسے وہ چھپانا چاہتا تھا۔ اسے یہ بھی علم تھا کہ گھر کی عورت مرد کی خاموشی بھی پڑھ لیتی ہے۔ اس نے بات بدلنے کی کوشش کی، مگر دل کے اندر جمع ہونے والا بوجھ الفاظ کے بغیر بھی محسوس کیا جا سکتا تھا۔ رات کا کھانا ختم ہوا تو بچے ایک ایک کر کے سو گئے۔ ان کے چہروں پر اطمینان تھا، گویا دنیا کی تمام آسائشیں انھیں میسر ہوں۔ جنید دیر تک ان کے قریب بیٹھا رہا۔ اسے خیال آیا کہ بچے کتنے عجیب ہوتے ہیں۔ انھیں یہ فکر نہیں ہوتی کہ چراغ میں تیل کہاں سے

آیا، روٹی کا انتظام کس نے کیا۔ ان کے لیے تو صرف اتنا کافی ہے کہ شام ڈھلے باپ گھر لوٹ آئے اور گھر میں روشنی باقی رہے۔ اسی وقت اس کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ وہ برسوں سے دوسروں کے لیے فیصلے کرتا آ رہا ہے۔ کوئی گھر خریدنے سے پہلے اس سے مشورہ لیتا، کوئی الیکٹرانکس خریدنے میں اس کی رائے مانگتا، وغیرہ وغیرہ۔ لوگ اس کی ایمانداری اور تجربے پر بھروسہ کرتے تھے، مگر اس نے کبھی اپنی ان صلاحیتوں کا اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کیا۔ اس نے دل ہی دل میں عہد کیا کہ کل سے زندگی کا آغاز نئے انداز میں کرے گا۔ شاید اس سے اس کی قسمت کا ستارہ بلند ہو جائے۔

اس رات بھی چراغ روزانہ کی طرح جلتا رہا، مگر جنید کو اس کی روشنی پہلے سے الگ محسوس ہوئی۔ یہ صرف مٹی کے تیل سے روشن ہونے والا چراغ نہیں تھا، بلکہ اس کے اندر جنم لینے والے ایک نئے ارادے کی روشنی بھی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے زندگی نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا ہو کہ آزمائشیں ہمیشہ امتحان لینے کے لیے نہیں آتیں، کچھ راتیں صرف اس لیے لمبی ہوتی ہیں کہ انسان صبح کی روشنی کی قدر کرنا سیکھ لے۔ جنید نے چراغ کی طرف دیکھا، پھر اپنے سوتے ہوئے بچوں کے معصوم چہروں کی طرف نگاہ اٹھائی اور دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ ابھی سب کچھ ختم نہیں ہوا۔ جب تک انسان کے اندر امید کا ایک ننھا سا چراغ روشن رہتا ہے، تب تک امید کے دیے روشن رہتے ہیں۔

■

**Dr. Anwar Hadi Junaidi**
Managing Editor Afasana Numa
D/NO:9/735 SGM Mansion
Hussainia Masjid Road, Agadi Street
Kadapa - 516001( Andhra Pradesh)


## Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

## سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر ..... بتاریخ .....

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: CNRB0019009 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : .....

پتہ : .....

.....

.....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, Email.: magazines@ncpul.in

دستخط

قسط 2

باتصویر کہانی

# ایک سچ مچ کے راج کمار کی کہانی

ذکیہ مشہدی

مصور: غلام الدین

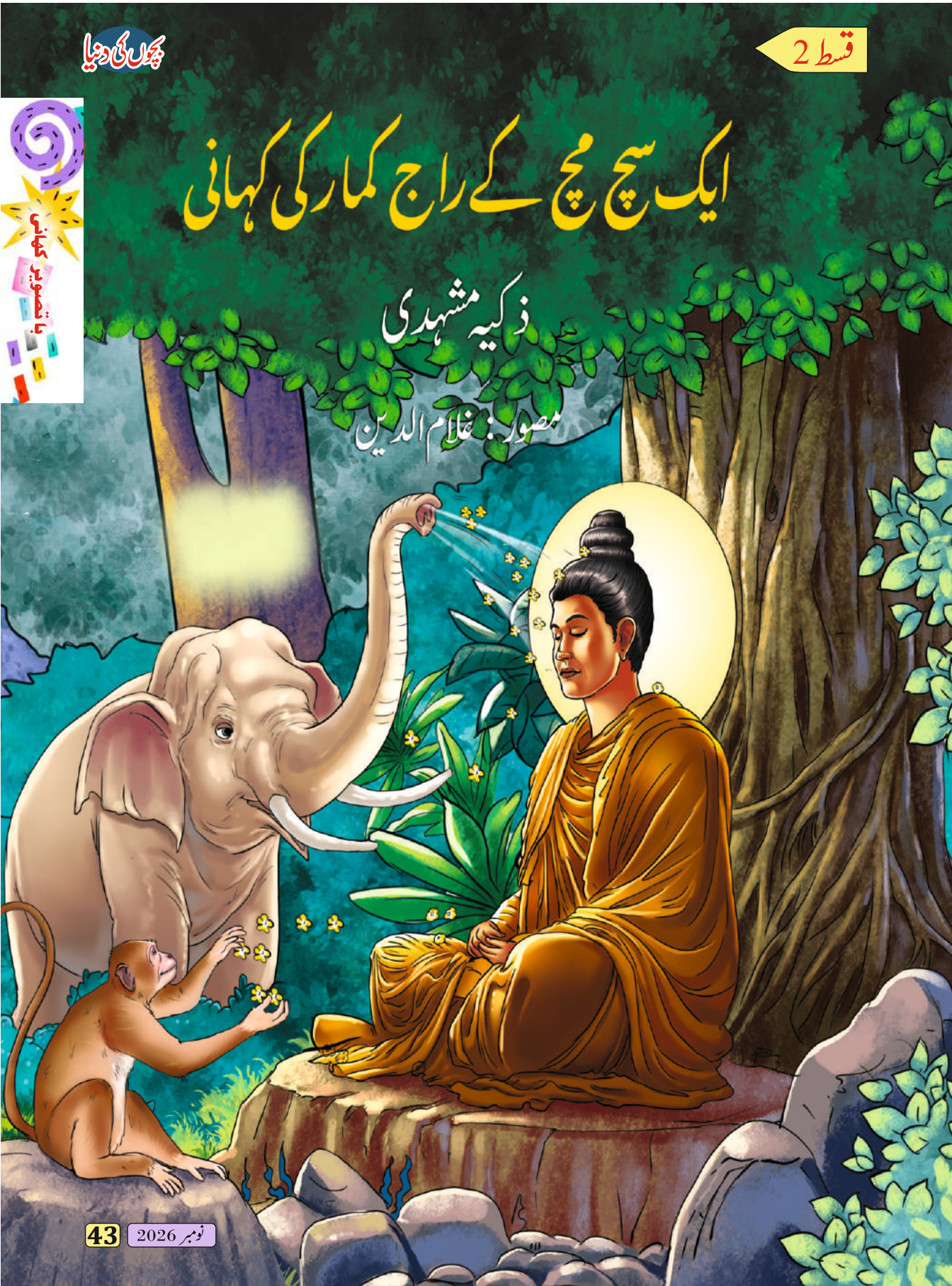

خیر مہامایا چلیں تو لیکن گھر پہنچنے سے پہلے۔ راج کمار راستے میں ہی پیدا ہو گئے۔ وہ سیمل کے درختوں کا جنگل تھا۔ سیمل میں سرخ پھول کھِلے ہوئے تھے۔ دوسرے سرسبز درخت الگ تھے۔ بڑی پُر فضا جگہ تھی جہاں اس بچے نے جنم لیا اسی جگہ کا نام لُمبنی تھا۔ اب مائیکے جانے کی ضرورت نہیں تھی اس لیے مہامایا بچے کو لے کر گھر واپس آ گئیں۔ لیکن شاید انھیں کسی قسم کا انفیکشن لگ گیا تھا۔ ایک ہفتے کے اندر ان کا انتقال ہو گیا اور ننھے گوتم بغیر ماں کے رہ گئے۔



اس بن ماں کے بچے کی پرورش مہاپرجاپتی گوتمی نے کی۔ وہ مہامایا کی بہن تھیں۔ یہ بھی قیاس ہے کہ راجا شدودھن نے ان سے شادی کرلی تھی۔ بہرحال وہ ایک بڑی نیک خاتون تھیں۔ انھوں نے بڑی محبت سے بن ماں کے بچے کی پرورش کی۔



باتصویر کہانی

سدھارتھ گوتم بڑے ہوئے تو باہر سیر کرتے ہوئے انھوں نے کئی عام منظر دیکھے۔ مثلاً انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو بہت ضعیف تھا۔

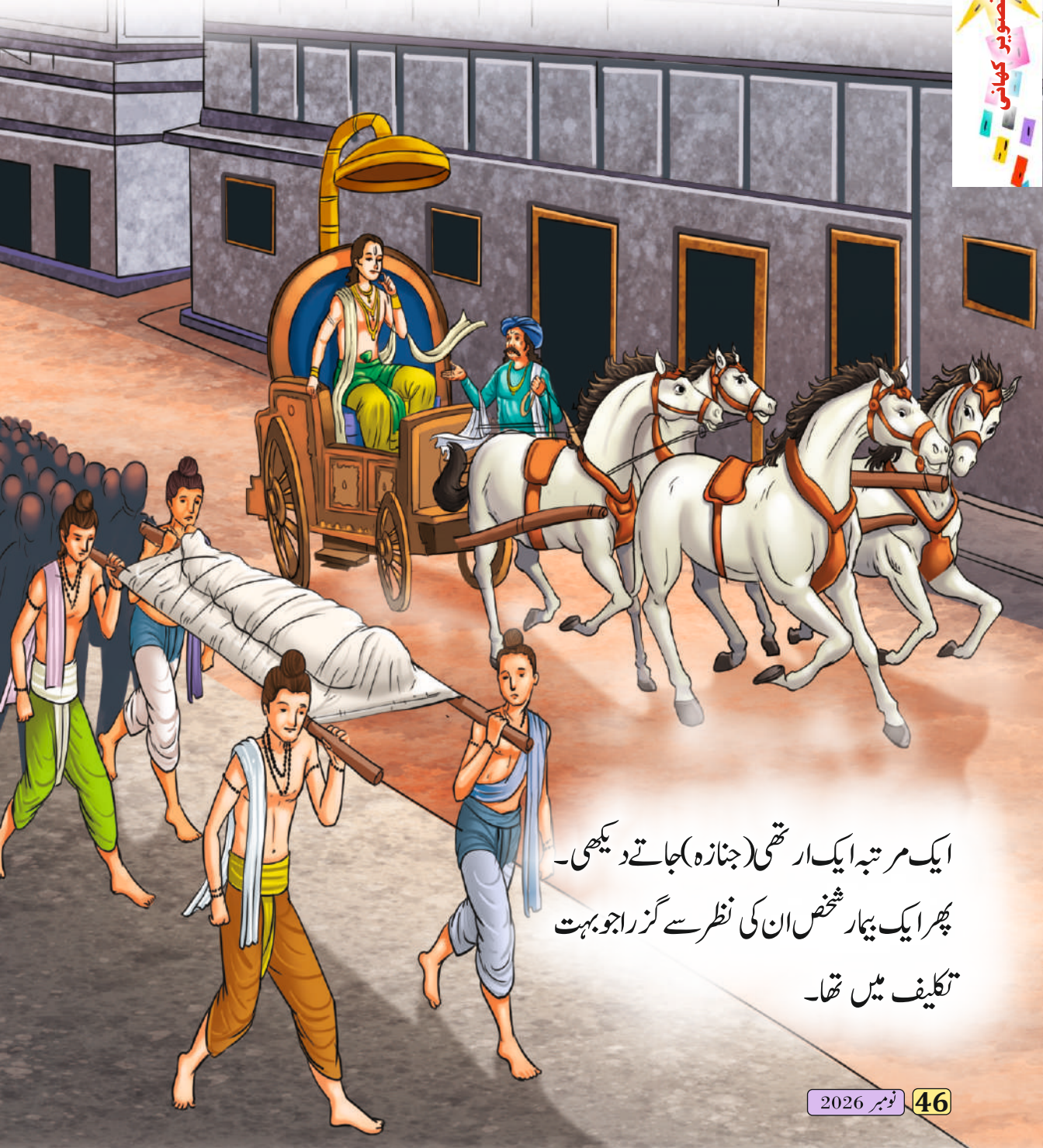

ایک مرتبہ ایک ارتھی (جنازہ) جاتے دیکھی۔ پھر ایک بیمار شخص ان کی نظر سے گزرا جو بہت تکلیف میں تھا۔

انھوں نے سب کے بارے میں سوال کیے۔ لوگوں نے بتایا کہ ان سے سبھی لوگ گزرتے ہیں۔ بیمار پڑتے ہیں، بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور پھر مرتے بھی ہیں۔ ایسا کوئی انسان نہیں ہے جو ان تکلیفوں سے نہ گزرا ہو۔



راج کمار کے دل پر ان باتوں کا بڑا گہرا اثر پڑا۔ وہ اکثر سوچ میں ڈوبے رہتے۔ عیش و عشرت سے انھیں زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ آخر ایک دن وہ سچ کی تلاش اور دُکھوں کا مداوا ڈھونڈنے گھر سے نکل گئے۔ اس وقت ان کی عمر 29 سال تھی۔ ان کی شادی ہو چکی تھی اور ایک بچہ بھی تھا۔ ان کی بیوی راج کماری یشودھرا تھیں۔ وہ بھی آس پاس کے راج گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ بچے کا نام راہل رکھا گیا۔ راہل کی محبت کہیں ان کے پاؤں کی بیڑی نہ بن جائے اس لیے سدھارتھ نے فوراً ہی گھر چھوڑ دیا۔

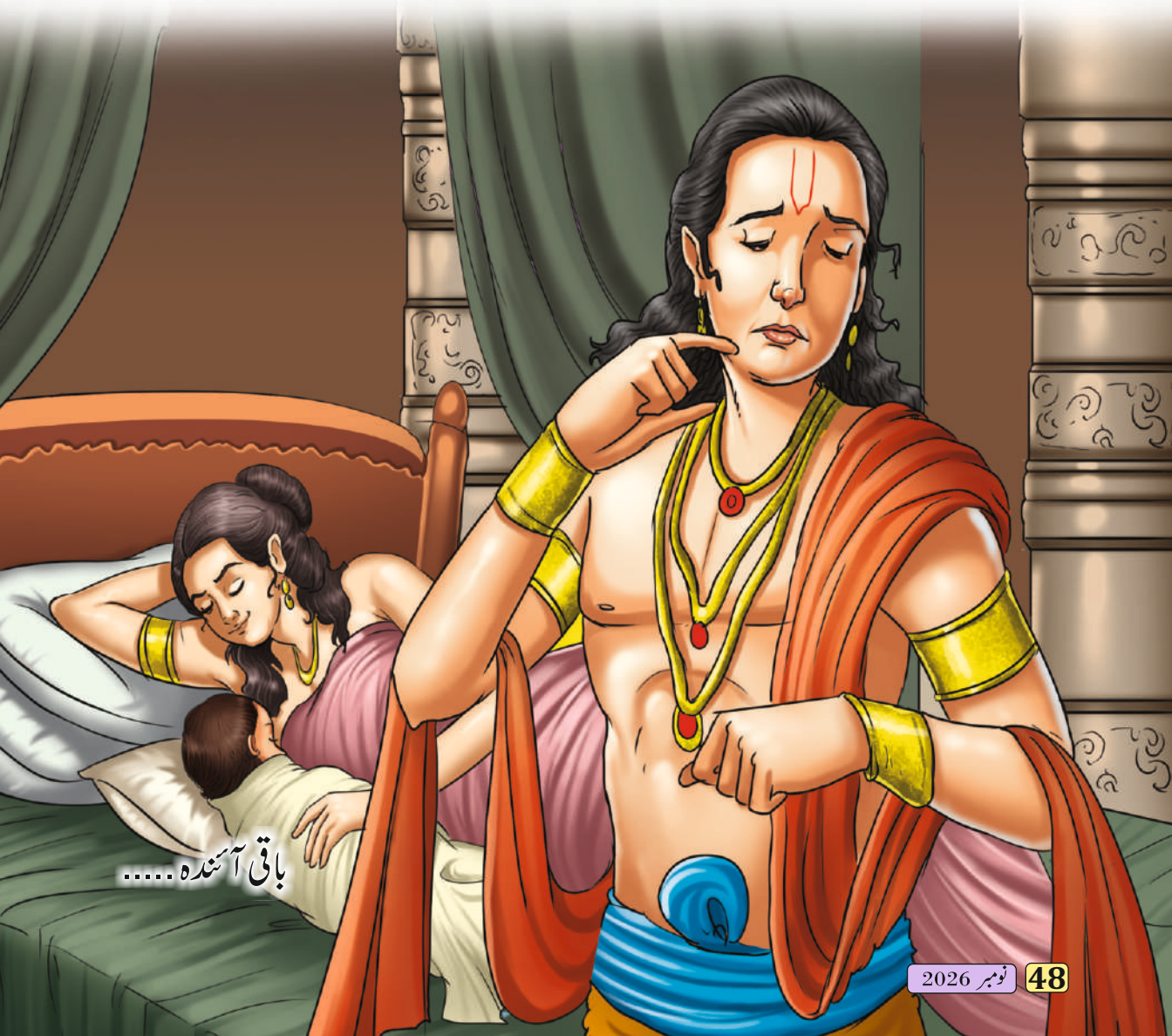

شاہ فیصل جان

سیر و سیاحت

# کشمیر میں ریل

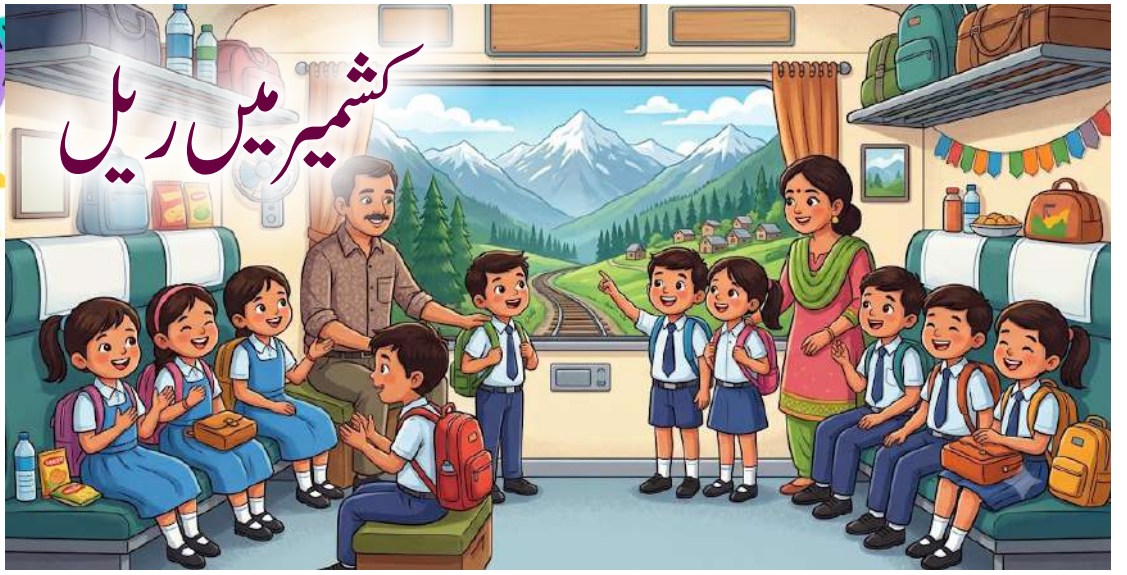

**چھٹی** ہونے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا کہ اچانک اسکول کی گھنٹی بجی۔ تمام طلبہ حیران تھے کہ آج وقت سے پہلے گھنٹی کیوں بج گئی۔ اساتذہ کی ہدایت پر سبھی بچے اپنی اپنی جماعتوں سے نکل کر اسکول کے میدان میں جمع ہوگئے۔ میدان میں چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ کوئی کھیلوں کے مقابلے کا اندازہ لگا رہا تھا تو کوئی یہ سمجھ رہا تھا کہ شاید کسی خاص تقریب کا اعلان ہونے والا ہے۔

کچھ ہی دیر میں پرنسپل صاحب مسکراتے ہوئے مائیک کے سامنے آئے۔ ان کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ کر بچوں کو اندازہ ہوگیا کہ وہ کوئی خوشخبری سنانے والے ہیں۔ میدان میں خاموشی چھا گئی اور سب کی نظریں پرنسپل صاحب کی طرف اٹھ گئیں۔

انھوں نے کہا ''پیارے بچو! مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ اگلے سوموار کو ہمارے اسکول کی چھٹی اور ساتویں جماعت کے طلبہ تین روزہ تعلیمی سفر پر جموں جائیں گے۔''

یہ سنتے ہی بچوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ کچھ بچوں نے بے اختیار تالیاں بجائیں اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا میدان تالیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ جموں جانے کی خوشی تو اپنی جگہ تھی لیکن اگلی بات نے بچوں کے جوش کو اور بھی بڑھا دیا۔

پرنسپل صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا ''اور اس بار ہمارا یہ سفر ریل کے ذریعے ہوگا۔ اب جب کہ کشمیر براہِ راست ریلوے کے ذریعے جموں اور ملک کے دوسرے حصوں سے جڑ چکا ہے، یہ سفر تمھارے لیے محض سیر و تفریح نہیں بلکہ ایک یادگار تعلیمی تجربہ بھی ہوگا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے کہ کس طرح دشوار گزار پہاڑوں کے درمیان ریلوے لائن بچھائی گئی ہے اور کس طرح بڑے بڑے پل اور طویل سرنگیں بنا کر وادیِ کشمیر کو ملک کے وسیع ریلوے نیٹ ورک سے جوڑا گیا ہے۔''

انھوں نے بچوں کو سمجھاتے ہوئے کہا، ''ریل جب سرسبز وادیوں، پہاڑوں اور دریاؤں کے درمیان سے

گزرے گی تو تمھیں قدرت کے کئی خوبصورت نظارے دیکھنے کو ملیں گے۔ کہیں بلند پہاڑ ہوں گے، کہیں بہتے ہوئے دریا، کہیں سرسبز کھیت اور کہیں پہاڑوں کے اندر بنی طویل سرنگیں۔ اس سفر میں تمھیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ پہاڑی علاقوں میں ریلوے لائن تعمیر کرنا کتنا مشکل کام ہے اور ہمارے انجینئروں اور مزدوروں نے کس محنت اور مہارت سے اسے ممکن بنایا ہے۔''

انھوں نے مزید کہا، ''تمام طلبہ سوموار کی صبح ٹھیک 6 بجے مکمل یونیفارم، ضروری سامان اور والدین کے دستخط شدہ اجازت نامے کے ساتھ اسکول پہنچ جائیں۔''

یہ اعلان سنتے ہی پورا میدان تالیوں سے گونج اٹھا۔ چھٹی کی گھنٹی بجتے ہی سب بچے خوشی خوشی اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔ انھوں نے اپنے بیگ ترتیب دیے، ضروری سامان رکھا اور سوموار کی صبح کا بے صبری سے انتظار کرنے لگے۔ خوشی کے باعث اکثر بچوں کو رات دیر تک نیند نہ آئی۔

سوموار کی صبح تمام بچے وقت سے پہلے ہی اسکول پہنچ گئے۔ ہر چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا کیونکہ آج ان میں سے بیشتر بچے زندگی کا پہلا ریل سفر کرنے والے تھے۔

اسکول پہنچنے کے بعد تمام طلبہ کی حاضری لی گئی۔ پھر انھیں بسوں میں بٹھا کر نوگام ریلوے اسٹیشن لے جایا گیا۔ صاف ستھرا پلیٹ فارم، جدید سہولیات اور خوشگوار ماحول دیکھ کر بچوں کی خوشی دوبالا ہوگئی۔

اسی دوران اس تعلیمی قافلے کے نگراں، فاروق صاحب، بچوں کے پاس آئے اور مسکراتے ہوئے بولے:

''بچو! ہماری ٹرین آنے میں ابھی تقریباً 40 منٹ باقی ہیں۔''

تمام بچے خاموشی سے ان کے گرد جمع ہوگئے۔

فاروق صاحب نے کہا، ''ریلوے ہماری قومی دولت ہے۔ اسے صاف رکھنا ہم سب کی ذمے داری ہے۔ اگر کوئی بسکٹ کھائے یا پانی کی بوتل خالی ہو جائے تو اسے کوڑے دان میں ڈالے۔ پلیٹ فارم پر دوڑنا یا شور مچانا مناسب نہیں۔ نظم وضبط کا خیال رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔''

''جی سر!'' سب بچوں نے ایک آواز میں جواب دیا۔

اسی دوران اریبہ نے ہاتھ کھڑا کیا اور پوچھا:

''سر! یہ ٹرین کہاں سے آئے گی؟''

فاروق صاحب مسکرائے اور بولے، ''بیٹی! یہ ٹرین بڈگام اسٹیشن سے روانہ ہوکر چند ہی منٹوں میں نوگام اسٹیشن پہنچ جائے گی۔ یہاں سے یہ اپنے مقررہ وقت پر جموں کی طرف روانہ ہوگی۔''

اب روی نے سوال کیا:

''سر! کیا یہ راستے میں ہر اسٹیشن پر رکے گی؟''

فاروق صاحب نے جواب دیا: نہیں بیٹے! ہر ٹرین کا اپنا شیڈول ہوتا ہے۔ عام مسافر ٹرینیں زیادہ تر اسٹیشنوں پر رکتی ہیں جب کہ وندے بھارت ایکسپریس، جس میں ہم سفر کر رہے ہیں، صرف اہم اسٹیشنوں پر رکتی ہے تاکہ مسافر کم وقت میں اپنی منزل تک پہنچ سکیں۔

دانیہ نے تجسس سے پوچھا: سر! میں نے ابو سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ان کے بچپن میں یہاں ٹرین نہیں چلا کرتی تھی۔ کشمیر میں ریل کب سے چلنی شروع ہوئی؟

فاروق صاحب نے جواب دیا، ''کشمیر میں ریل کا سفر مرحلہ وار مکمل ہوا۔ سب سے پہلے 11 اکتوبر 2008 کو اننت ناگ سے مازہامہ تک ریل سروس شروع ہوئی۔

اس کے بعد فروری 2009 میں اسے بارہمولہ تک بڑھایا گیا۔ پھر 26 جون 2013 کو قاضی گنڈ۔ بانہال سیکشن مکمل ہونے کے بعد ریل بانہال تک پہنچ گئی۔ اس طرح وادیِ کشمیر میں بارہمولہ سے بانہال تک باقاعدہ ریل سروس شروع ہوگئی۔

اس کے بعد دریاؤں اور پہاڑوں کے درمیان دشوار راستے پر کام جاری رہا۔ 20 فروری 2024 کو بانہال۔ سنگلدان سیکشن عوام کے لیے کھول دیا گیا۔ آخرکار 6 جون 2025 کو بانہال۔ کٹرا سیکشن مکمل ہونے کے بعد وادیِ کشمیر براہِ راست جموں کے ریلوے نیٹ ورک سے جڑ گئی۔ اسی روز وزیرِ اعظم نے چناب ریل پل، انجی کھڈ پل اور سری نگر۔ شری ماتا ویشنو دیوی کٹرا وندے بھارت ایکسپریس کا افتتاح کیا۔''

روی نے پوچھا ''سر! بارہمولہ سے جموں تک سفر کے دوران کون کون سے ریلوے اسٹیشن آتے ہیں؟''

''بارہمولہ سے جموں تک سفر کے دوران اہم ریلوے اسٹیشن یہ ہیں: بارہمولہ، سوپور، ہامرے، پٹن، مازہامہ، بڈگام، سری نگر، پامپور، کاکاپورہ، اونتی پورہ، پزگام، بجبہاڑہ، اننت ناگ، سادھورا، قاضی گنڈ، بانہال، کھڑی، سمبر، سنگلدان، ریاسی، کٹرا، ادھم پور اور آخر میں جموں۔''

اریبہ نے پھر سوال کیا، ''سر! چناب ریل پل اور انجی کھڈ پل کی کیا خاص بات ہے؟''

فاروق صاحب نے جواب دیا، ''بیٹی! چناب ریل پل دنیا کا سب سے بلند ریلوے آرچ پل ہے۔ یہ دریائے چناب سے 359 میٹر بلند اور 1315 میٹر لمبا ہے۔ انجی کھڈ پل ہندوستان کا پہلا کیبل اسٹیڈ ریلوے پل ہے۔ اس کی بلندی تقریباً 331 میٹر اور لمبائی 725 میٹر ہے۔ یہ دونوں پل جدید ریلوے انجینئرنگ کے شاہکار ہیں۔ پورا جموں۔ بارہمولہ ریلوے منصوبہ تقریباً 272 کلومیٹر طویل ہے، جس میں 36 بڑی سرنگیں اور 943 پل تعمیر کیے گئے ہیں۔''

اتنے میں دور سے ٹرین کی سیٹی سنائی دی۔ چند ہی لمحوں بعد کیسری رنگ کی خوبصورت وندے بھارت ایکسپریس پلیٹ فارم پر آکر رکی۔ اسے دیکھ کر بچوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

اکرام بے اختیار بول اٹھا، ''واہ! یہ تو تصویروں سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔''

اریبہ مسکراتے ہوئے بولی، ''سر! آپ نے تو ہمیں ٹرین میں بیٹھنے سے پہلے ہی اس کی پوری تاریخ بتا دی۔''

فاروق صاحب بھی مسکرا دیے اور بولے، ''ابھی تو یہ آغاز ہے، بچو! آہستہ آہستہ قطار میں ٹرین میں سوار ہو جاؤ، اپنی اپنی سیٹوں پر سکون سے بیٹھو اور شور نہ کرو۔ راستے میں میں تمھیں اس ریل سفر، اس کے پلوں، سرنگوں اور دیگر دلچسپ معلومات سے بھی آگاہ کروں گا۔''

سب بچے خوشی خوشی ٹرین میں سوار ہوگئے اور اپنی اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ چند ہی لمحوں بعد سیٹی بجی، ٹرین آہستہ آہستہ پلیٹ فارم سے روانہ ہوئی اور جموں کی جانب اپنے یادگار سفر پر چل پڑی۔

■

**Dr. Shah Faisal Jan**
Asst. Professor, Hamdi Kashmiri Memorial
Govt Degree College, Eidgah
Srinagar - 190002 (J&K)
Mob.: 9906652946
sfaisaljan12@gmail.com

شادان پرویز

سائنس

# انسان اور پرندے



**آپ نے** آسمان پر جہاز اڑتے تو ضرور دیکھے ہوں گے۔ اڑتا ہوا جہاز کسی چڑیا کے برابر چھوٹا دکھائی دے گا، مگر کسی ہوائی اڈے پر کھڑا جہاز دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ کتنا بڑا ہے۔ اس میں کئی سو آدمی بیٹھ کر سفر کر سکتے ہیں۔ جہاز کا سفر بہت اچھا ہوتا ہے۔ اس میں مسافروں کے آرام کا ہر طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ لمبے سفر کے لیے کھانے پینے کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ اس کے اندر کام کرنے والے مرد اور عورتیں مسافروں کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کرتے ہیں۔ جیسے ہی مسافر داخل ہوتے ہیں وہ انھیں ان کی کرسی تک پہنچا دیتے ہیں۔ جب تمام مسافر اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں تو جہاز ٹیک آف کرے گا۔ اس وقت ایک بڑی اچھی سی آواز میں اعلان ہوتا ہے کہ آپ اپنی کرسی کی پشت پر لگی ہوئی پیٹی کو باندھ لیجیے کیونکہ جہاز کے اوپر اٹھنے سے ہلکا سا دھکا لگتا ہے۔ اب یہ سفر شروع ہو جاتا ہے۔ اب آپ ذرا جہاز کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھیے تو آپ کو اپنا شہر چھوٹا سا نظر آئے گا اور پھر تھوڑی سی دیر میں وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ اگر یہ جہاز سمندر کے اوپر سے اڑے گا تو سمندر نظر آئے گا۔ نیلا نیلا سمندر اور جب یہ جہاز اور اوپر اٹھ جائے گا تو یہ نیلا سمندر بھی نظر نہ آئے گا، اور پھر آپ بادلوں میں سفر کریں گے۔ سفید سفید بادل بالکل روئی کے گالے معلوم ہوں گے اور ایسا محسوس ہوگا کہ جہاز دھیرے دھیرے چل رہا ہے، مگر یہ دھیرے نہیں اڑ رہا ہے۔ اس کی رفتار تو بہت تیز ہے صرف اندر سے آپ کو دھیرے دھیرے اڑتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور چند ہی گھنٹوں میں آپ دوسرے ملک میں ہوں گے۔ یعنی ہزاروں کلومیٹر کا فاصلہ چند گھنٹوں میں طے کر لیا گیا ہے۔ یہ سب جادو کی طرح ہو جائے گا۔ کیا آپ نے سوچا ہے جس سے اتنی سہولیت حاصل ہے وہ کس طرح بنائی گئی ہے اور کس نے اسے بنایا ہے۔ اسے بنانے میں کتنوں نے اپنی جانیں تک قربان کر دی ہیں

ان کے نام ہمیشہ لوگوں کو یاد رہیں گے۔

یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی محنت اور قربانی نے آج دنیا کو کتنا آرام پہنچایا ہے۔ اکثر ملکوں میں فاصلے زیادہ ہونے کی وجہ سے رابطہ قائم ہونے میں پریشانی ہوتی تھی بلکہ کچھ ملکوں میں تو پہنچنا ہی ناممکن تھا۔ اس وجہ سے ان لوگوں کے تصور میں دنیا بہت چھوٹی تھی، مگر جب سے ہوائی جہاز کی ایجاد ہوئی ہے فاصلے کم معلوم ہونے لگے ہیں۔ دنیا کے ملکوں کا ایک دوسرے سے تعلق بڑھ گیا ہے۔ لوگ چند گھنٹوں میں ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچ جاتے ہیں۔ ہمارے دوست اور رشتہ دار جو دوسرے ملکوں میں ہیں، ہمارا ان سے تعلق ختم نہیں ہوتا بلکہ ڈاک کے ذریعے ہم ان سے رابطہ قائم رکھتے ہیں اور جو پیغام ہم ان تک پہنچانا چاہتے ہیں وہ اپنے خط میں لکھ دیتے ہیں اور یہ خط چند دنوں ہی میں ان کو مل جاتا ہے اور اگر ہم ان کے پاس جانا چاہیں تو بہت جلد پہنچ سکتے ہیں۔ ہوائی جہاز کے مقابلے میں ریل گاڑی سے سفر میں زیادہ وقت لگتا ہے۔ آج کل جب لوگ بہت زیادہ مصروف ہیں وقت کی قیمت اور اہمیت بڑھ گئی ہے، کسی کے پاس ذرا سا بھی فالتو وقت نہیں ہے۔ ہم کو اندازہ ہوتا ہے کہ اس سہولت سے ہمارا کتنا وقت بچتا ہے اور ہوائی جہاز ہمارے لیے کتنا فائدہ مند ہے۔

انسان ہر زمانے میں ترقی کرنے کی جدوجہد کرتا رہا ہے۔ جب اس نے پرندوں کو اڑتے دیکھا تو اس کے دل میں بھی اڑنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے بازوؤں سے اڑنا چاہا مگر ناکام رہا۔ پھر اس نے اپنے لیے پرندوں کی طرح بازو بنانے کی کوشش کی سب سے پہلے کوشش قدیم یونان کے رہنے والوں نے کی۔ اس کا اندازہ ہمیں اس بات سے ہوتا ہے کہ ہندوستان اور یونان کی دیومالاؤں میں ایسی کہانیاں ملتی ہیں جن میں انسانوں کے ان خوابوں کا اظہار ملتا ہے۔ یونان کی ایک مشہور کہانی ہے:

''قدیم یونان کا ایک باشندہ دیدالوس تھا۔ کہتے ہیں وہ اپنے زمانے کا سائنسداں تھا اور اس نے کسی نئی چیز کا انکشاف کیا تھا۔ کریٹ کے بادشاہ نے ایک دن اسے اور اس کے بیٹے کیروز کو گرفتار کرلیا۔ دیدالوس قیدخانے میں صبح سے شام تک اس فکر میں رہتا کہ کسی طرح اپنے بیٹے کو لے کر جیل خانے سے نکل بھاگے۔ آخر اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے موم سے دو دو بازو بنائے اور ان کو اپنے کندھوں پر چپکا لیا۔ اس نے اور اس کے بیٹے نے اڑنا شروع کردیا اور اس طرح قیدخانے کی دیوار پار کرلی۔ آئی کیروز خوشی سے دیوانہ ہوگیا۔ دیدالوس تو حفاظت سے دھیرے دھیرے اڑتا ہوا سمندر میں کود گیا مگر کیروز بڑی تیزی سے اڑتا جارہا تھا۔ دیدالوس نے اسے بہت روکنا چاہا لیکن کیروز نے ایک نہ سنی اور وہ برابر اڑتا رہا۔ جیسے جیسے کیروز سورج کے قریب پہنچتا جاتا تھا سورج کی تیزی بڑھتی جاتی تھی اور آخر میں دھوپ نے اس کے بازوؤں کو پگھلا دیا اور وہ پتھر کی طرح سمندر میں گر گیا۔''

یہ تو خیر ایک کہانی تھی لیکن اس کہانی میں ہمیں انسان کے ان خوابوں کا اظہار ملتا ہے جو انسان سیکڑوں ہزاروں سال سے دیکھتا رہا ہے۔ وہ ان خوابوں میں چاند اور دوسرے سیاروں کی سیر بھی کرتا رہا ہے۔ انسان نے



اڑنے کی اَن گنت کوششیں کیں۔اس نے سچ مچ پرندوں کے سے بازو بنائے اور انھیں اپنے ہاتھوں میں باندھ کر اور اونچائی پر چڑھ کر ان سے اڑنے کی کوشش کی مگر ہر بار ناکام رہا۔ اتنی کوششوں کے بعد اس نے اس حقیقت کو جان لیا کہ وہ پرندوں کی طرح نہیں اڑ سکتا کیونکہ انسان کے بازوؤں میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کیونکہ وہ باقی جسم کے مقابلے میں کمزور ہوتے ہیں۔ وہ پورے جسم کا بوجھ اپنے اوپر نہیں اٹھا سکتے، پرندوں کے بازوؤں میں ان کے جسم کے مقابلے میں بہت زیادہ طاقت ہوتی ہے اور وہ اپنے سارے جسم کا بوجھ اپنے بازوؤں پر برداشت کر لیتے ہیں۔

انسان نے پنکھ لگا کر اڑنے میں ناکام ہونے کے بعد بھی ہار نہیں مانی اور کسی ایسی طاقت کی تلاش میں لگ گیا جس کو وہ اڑنے کے کام میں لا سکے۔ لیونارڈو ڈی ونسی (Leonardo da Vinci) نام کے ایک اٹلی کے آرٹسٹ نے بہت سی اڑنے والی مشینوں کی تصویریں بنائیں جس میں پیراشوٹ اور ہیلی کوپٹر بھی شامل تھے مگر یہ سب کچھ تصور کی حد تک ہی محدود رہا اور اس کے آگے نہ بڑھ سکا، لیکن سائنسدانوں نے ہمت نہیں ہاری اور وہ اپنی کوششوں میں برابر لگے رہے۔

■

**ماخذ:** فضائی اور خلائی اڑان، **مصنف:** شادان پرویز
**تیسری اشاعت:** 2022
**ناشر:** قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی





عبیر الٰہی

# فٹ بال عالمی کپ 2026

**یورپین چمپیئن** اسپین نے دفاعی چمپیئن ارجن ٹائنا کو فائنل میں 1-0 سے شکست دے کر دوسری مرتبہ عالمی کپ جیتا۔ فائنل کا فیصلہ کن گول 106 ویں منٹ میں فیدرن توریس نے کیا۔ اس عالمی کپ میں ان کا پہلا اور کل ملا کر بین الاقوامی میچوں میں محض تیسرا گول تھا۔ اسپین نے پہلی مرتبہ 2010 میں عالمی کپ جیتا تھا۔

اسپین کو اس عالمی کپ میں گروپ ایچ میں جگہ ملی تھی۔ اس گروپ میں پہلی مرتبہ عالمی کپ میں شرکت کر رہی کیپ وردے، یوروگوائے اور سعودی عرب کی ٹیمیں شامل تھیں۔ کیپ وردے کے خلاف اسپین کا میچ بغیر کسی گول کے برابر رہا تھا جب کہ سعودی عرب کو اس نے 4–0 سے شکست دی تھی۔ یوروگوائے کے خلاف 1–0 کی کامیابی کے بعد اسپین نے دوسرے راونڈ میں جگہ بنائی تھی۔ لیگ میں اس نے 7 پوائنٹس کے ساتھ پہلا مقام حاصل کیا تھا۔ آسٹریا کے خلاف 3–0 سے جیت حاصل کر کے اسپین نے پری کوارٹر فائنل میں جگہ بنائی تھی۔ پری کوارٹر فائنل میں اس نے پرتگال کو ایک گول سے شکست دی۔

اسپین نے کوارٹر فائنل میں بلجیم کو 2-1 سے شکست دے کر دوسری مرتبہ آخری چار ٹیموں میں جگہ بنائی ہے۔ فرانس نے مراکش کو 2-0 سے شکست دے کر آٹھویں مرتبہ آخری چار ٹیموں میں جگہ بنائی ہے۔ وہ لگا تار تیسری مرتبہ عالمی کپ کے سیمی فائنل میں داخل ہونے والی تیسری ٹیم ہے۔ جرمنی نے 2002 اور 2014 کے درمیان لگا تار چار مرتبہ سیمی فائنل میں داخلہ حاصل کیا تھا جب کہ برازیل نے 1994 اور 2002 کے درمیاں لگا تار 3 مرتبہ سیمی فائنل میں جگہ بنائی تھی۔

پہلے سیمی فائنل میں اسپین نے فرانس کو 2-0 سے شکست دے کر دوسری مرتبہ فائنل میں جگہ بنائی۔ ناک آوٹ میں نہ ہارنے کا اسپین کا سلسلہ جنوبی افریقہ میں ہوئے 2010 کے عالمی کپ سے شروع ہوا تھا۔ اس عالمی کپ میں راؤنڈ 16 میں اس نے پرتگال کو 1-0 سے ہرانے کے بعد کوارٹر فائنل میں پیراگوئے کے خلاف 1-0 سے ہی کامیابی حاصل کی تھی۔ جرمنی کے خلاف سیمی فائنل اس نے 1-0 سے جیتا تھا جب کہ نیدرلینڈس کے خلاف

فائنل میں وہ 0-1 سے فاتح رہی تھی۔

فائنل میں اسپین کا مقابلہ دفاعی چمپیئن ارجن ٹائنا سے تھا۔ اسپین نے سیمی فائنل میں انگلینڈ کو 1-2 سے شکست دے کر دوسری مرتبہ فائنل میں کھیلنے کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ ارجن ٹائنا نے فرانس کے خلاف 0-2 سے کامیابی حاصل کرنے کے بعد ساتویں مرتبہ فائنل کا ٹکٹ حاصل کیا ہے۔ اس نے 6 میں سے 3 مرتبہ عالمی کپ جیتا تھا جب کہ 3 مرتبہ اسے فائنل میں شکست ہوئی تھی۔

عالمی کپ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب فائنل چوٹی کی 2 ٹیموں کے درمیان کھیلا گیا۔ عالمی رینکنگ کی ابتدا 1992 میں ہوئی تھی جس کے بعد کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ پہلی اور دوسری رینکنگ کی ٹیمیں فائنل میں پہنچی ہیں۔

انگلینڈ نے فرانس کو 4 کے مقابلے 6 گول سے شکست دے کر عالمی کپ 2026 میں تیسرا مقام حاصل کیا۔ انگلینڈ نے پہلی مرتبہ عالمی کپ میں تیسرا مقام حاصل کیا ہے۔ انگلینڈ جس نے 1966 کے عالمی کپ میں اپنے گھر پر چمپیئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا، 1990 میں اٹلی میں ہوئے عالمی کپ میں تیسری پوزیشن کے لیے ہوئے میچ میں میزبان ٹیم سے 1-2 سے ہار گئی تھی۔ فرانس جس نے 1998 میں اپنے گھر پر اور 2018 میں روس میں ہوئے عالمی کپ جیتا تھا، دوسری مرتبہ چوتھا مقام حاصل کیا ہے۔

عالمی کپ میں یہ چھٹا موقع تھا جب ایک میچ میں 10 یا اس سے زیادہ گول ہوئے۔ عالمی کپ میں ایک میچ میں سب سے زیادہ گول کا ریکارڈ 12 گول کا ہے۔

## ٹیموں، میچوں اور گولوں کا نیا ریکارڈ

اس عالمی کپ میں 104 میچوں میں 178 کھلاڑیوں نے 308 گول کیے۔ ان 178 کھلاڑیوں میں وہ 13 کھلاڑی شامل نہیں ہیں جنھوں نے 14 سیلف گول کیے۔ اتنے سیلف گول کسی اور عالمی کپ میں نہیں ہوئے ہیں۔ سابقہ ریکارڈ 12 سیلف گول کا تھا جو 2018 میں روس میں ہوئے عالمی کپ میں بنا تھا۔ اس مرتبہ مصر کے محمد ہنی نے دو سیلف گول کیے۔ وہ ایسا کرنے والے ابھی تک واحد کھلاڑی ہیں۔ اس مرتبہ 48 ٹیموں نے شرکت کی۔ اس سے پہلے جو 7 عالمی کپ ہوئے تھے اس میں 32 ٹیمیں شریک ہوئی تھیں۔



فرانس کے فارورڈ کیلیان مباپے، عالمی کپ 2026 میں سب سے زیادہ گول کرنے والے کھلاڑی رہے اور انہی کو گولڈن بوٹ دیا گیا۔ اس مرتبہ وہ 8 میچوں میں 769 منٹ کھیلے اور انھوں نے 10 گول کیے۔ ابھی تک صرف 4 کھلاڑیوں نے ایک عالمی کپ میں 10 سے زیادہ گول کیے ہیں۔ ایک عالمی کپ میں سب سے زیادہ گول کرنے کا اعزاز جسٹ فونٹین کے پاس ہے۔ فرانس کے اس کھلاڑی نے 1958 میں ہوئے عالمی کپ میں 13 مرتبہ بال کو نیٹ میں ڈالا تھا۔ ہنگری کے سنڈور کوسس نے 1954 میں ہوئے عالمی کپ میں 11 گول کیے تھے جب کہ جرمنی کے گرڈ مولر 1970 میں 10 گول کرنے میں کامیاب رہے تھے۔

■

**Abeer Elahi**
1433, Qasim Jan Street
Ballimaran ,Delhi - 110006
Mob.: 8287551987
elahiabeer@gmail.com

**بچوں کے لیے قومی اردو کونسل سے شائع ہونے والی تازہ مطبوعات ایک تربیتی ورکشاپ کا نتیجہ ہیں۔ اس ورکشاپ میں تخلیق کاروں کے ساتھ نوعمر بچوں کو بھی مدعو کیا گیا تھا، جنھوں نے کہانیاں سننے کے بعد اپنے تاثرات کا بھی اظہار کیا۔ (ادارہ)**

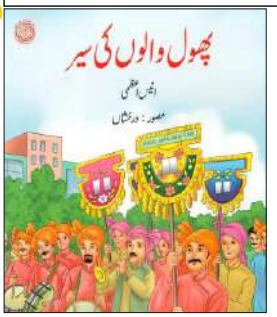


# پھول والوں کی سیر

مصنف: انیس اعظمی

صفحات: 33، قیمت: 40 روپے، سنہ اشاعت: 2025

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: راحیل پروین، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، عالیہ یونیورسٹی، کولکاتا

قصہ 'پھول والوں کی سیر' انیس اعظمی کی تخلیق ہے۔ اردو ڈراما نگاری کے حوالے سے ان کا نام بہت نمایاں ہے۔ ڈراما نگار اور بچوں کے ادیب کی حیثیت سے ادبی دنیا میں جانے جاتے ہیں، تھیٹر اور اسٹیج ڈرامے کے میدان میں انھوں نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں، جس کے اعتراف میں غالب ایوارڈ اور حبیب تنویر ایوارڈ سے نوازے جا چکے ہیں۔ پانچ اسٹیج ڈرامے (1996)، اردو تھیٹر: کل اور آج (2009)، تھیٹر پارسی تھیٹر اور آغا حشر کاشمیری (2011) وغیرہ، ان کی معروف کتابیں ہیں۔

'پھول والوں کی سیر' مختصر تاریخی ڈراما ہے جو حقیقت پر مبنی ہے۔ جناب انیس اعظمی نے اسے سادہ اور آسان زبان میں بچوں کے لیے لکھا ہے جس میں نئی نسل کے ذہنی معیار کا پورا پورا خیال رکھا گیا۔ اس کی مصوری محترمہ درخشاں نے کی ہے۔ تصویروں کے ذریعے بچوں کے اندر سیکھنے اور سمجھنے کی صلاحیت مزید بڑھ جاتی ہے، اس لیے اس کتاب کو تصویروں کے ذریعے سجایا گیا ہے۔

کہانی کا آغاز اسکول کے سالانہ جلسے سے ہوتا ہے جہاں نویں جماعت کی دو طالبات (راوی 1) اور (راوی 2) بطور کردار سامنے آتی ہیں اور اپنے اپنے مکالموں کے ذریعے ناظرین و قارئین کو معلومات فراہم کرتی ہیں۔ بحیثیت اردو قاری کتاب کا عنوان 'پھول والوں کی سیر' پڑھتے ہی فوری طور پر ذہن مرزا فرحت اللہ بیگ کی کتاب 'بہادر شاہ اور پھول والوں کی سیر' کی جانب چلا جاتا ہے اسی کشمکش میں ہم کہانی پڑھنا شروع کرتے ہیں تو (راوی 1) اور (راوی 2) کے پہلے ہی مکالمہ سے اندازہ ہو جاتا ہے، کہ یہ وہی کہانی ہے جسے مرزا فرحت اللہ بیگ برسوں پہلے لکھ چکے ہیں۔ یہ مکالمے درج ذیل ہیں:

''راوی 1: آداب عرض ہے آج اسکول کے Annual Day کے موقعے پر ہم آپ کے سامنے ایک دلچسپ داستان پیش کرنے جا رہے ہیں۔

راوی 2: جی ہاں، ممکن ہے آپ میں سے کئی اس داستان سے واقف بھی ہوں وہ اس لیے کہ اس کا تعلق ہمارے شہر دہلی سے ہے۔'' (ص 3)

اصل میں فرحت اللہ بیگ کی یہ کتاب کافی ضخیم ہے۔ لسانی ساخت اور زبان و بیان کے لحاظ سے بھی فرحت اللہ بیگ کی کتاب پھول والوں کی سیر کی مفصل تاریخ ہے۔

اس لیے ادب اطفال کے زمرے میں نہیں آتی ہے لیکن انیس اعظمی کی یہ کتاب ادب اطفال میں قابل قدر اضافہ ہے۔ یہ ڈراما اگرچہ 'پھول والوں کی سیر' کی مکمل تاریخ نہیں ہے، بس اس کا ایک حصہ ہے، اس کے باوجود ادھورے پن کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں تاریخ کی قدیم روایت سے بچوں کو متعارف کرایا ہے، بچوں کو ان کے شاندار ماضی اور مشترکہ تہذیب کی نمائندگی کرنے والے تہوار سے بھی روشناس کرایا ہے۔

مجموعی طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں 'پھول والوں کی سیر' کا تہوار کب سے، کیوں، کیسے، کس طرح اور کس وجہ سے منایا جاتا ہے؟ یہ پورا اسٹیج ڈراما اسی تہوار پر مرکوز ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ 1812 سے آج تک اس تہوار کو دہلی والے بہت اہتمام سے مناتے ہیں۔ اس تعلق سے صاحب کتاب لکھتے ہیں:

''دلّی والے اسے آپسی بھائی چارے، میل ملاپ اور گنگا جمنی تہذیب کی علامت مانتے ہیں۔ جس ملک میں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور الگ الگ عقیدوں پر یقین رکھنے والے ایک دوسرے کے پڑوسی ہوں قومی یکجہتی کا مضبوط ہونا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ ایک میٹرو پولیٹن شہر ہے جہاں پڑوسیوں کے مذہب، لباس، زبان، کھانے اور رسومات الگ الگ ہیں۔ الگ ہونے کے باوجود بھی ہمارے قومی یکجہتی کے عقیدے نے ہمیں ایک ڈور میں باندھ رکھا ہے۔۔'' (ص 7)

موجودہ دور میں یہ ہماری تہذیبی شناخت کو برقرار رکھنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پھول والوں کی سیر کا بطور تہوار باضابطہ آغاز مغل دور کے حکمراں اکبر شاہ دوم کے عہد حکومت (1812) میں ہوا تھا۔ ہر سال موسم برسات کے بعد ستمبر ماہ کے درمیان میں منایا جا رہا تھا، لیکن اس کی روایت عارضی طور پر ختم ہوگئی تھی۔ آزادی کے بعد جب حالات بہتر ہوئے تو یوگیشور دیال کی کوششوں سے یہ سلسلہ از سر نو شروع ہوا اور 1962 میں جواہر لال نہرو کی قیادت میں پہلے کی طرح پھر سے منایا جانے لگا۔

غرضیکہ یہ تہوار آج بھی ہمارے ملک کی مشترکہ تہذیب کی ایک عظیم مثال ہے۔ یہ پنڈت جواہر لال نہرو کے اس پیغام سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو پھول والوں کی سیر (1963) کے جلوس میں یوگیشور جی نے کتابچہ تقسیم کیا تھا۔ اس میں درج تھا:

''مجھے یقین کامل ہے کہ اس میلے کے پیچھے جو جذبہ کارفرما ہے وہ مذہب اور ذات پات کے امتیاز کے بغیر باہمی تعلقات کو پروان چڑھانے میں ہمارے ہم وطنوں کی رہنمائی کرتا رہے گا۔'' (ص 14)

'پھول والوں کی سیر' میں محترم انیس اعظمی نے بچوں کو ذات پات کی تفریق سے دور رہنے اور مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دینے کی ترغیب دی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو موجودہ دور کے مذہبی انتشار دور کرنے کی یہ کامیاب قلمی کاوش ہے جس کے لیے مصنف انیس اعظمی اور قومی اردو کونسل دونوں مبارکباد کے مستحق ہیں۔

■

**Rahil Parween**
Research Scholar, Department of Urdu
Aliah University
Kolkata-700014 (West Bengal)
Mob.: 9378112720
rahilparween2000@gmail.com

# تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

جنرل نالج بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔ (ادارہ)



1. ہندوستان میں یوم اطفال کس تاریخ کو مناتے ہیں؟
2. عالمی یوم اطفال کب منایا جاتا ہے؟
3. ہندوستان کے نائب صدر جمہوریہ کا کیا نام ہے؟
4. IKS کا فل فارم بتائیں؟
5. مولانا ابوالکلام آزاد کی تاریخ پیدائش بتائیں؟
6. کون سے مہینے 30 دن کے ہوتے ہیں؟
7. دہلی کالج کا پرانا اور موجودہ نام بتائیں؟
8. ناول 'الٹا درخت' کس نے لکھا ہے؟
9. کہانی 'عیدگاہ' کے تخلیق کار کا نام بتائیں؟
10. Physics کو اردو میں کیا کہتے ہیں؟
11. دنیا کا سب سے بڑا اور گہرا سمندر کون سا ہے؟
12. رقبے کے لحاظ سے زمین کا سب سے چھوٹا برِّ اعظم کون سا ہے؟
13. ہندوستان میں سب سے زیادہ گیہوں پیدا کرنے والے صوبے کا نام بتائیں؟
14. لیچی کی راجدھانی (Litchi Capital of India) کا خطاب کس شہر کو حاصل ہے؟
15. انسانی جسم میں سب سے بڑا عضو کون سا ہے۔
16. بندر کے کتنے دماغ ہوتے ہیں؟
17. مور کی پسندیدہ غذا یعنی خوراک کیا ہے؟
18. اوپن ایرا میں سب سے زیادہ ومبلڈن خطاب کس نے اور کتنی بار حاصل کیا؟
19. بھارت کے سب سے کم عمر بین الاقوامی کرکٹ کھلاڑی کا نام بتائیں؟
20. خواتین کرکٹ ایشیا کپ 2026 کا فاتح کون ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 31 پر ملاحظہ فرمائیں)



# چمن چمن کے پھول

شاعری میں بڑی طاقت ہے۔ اس سے تحریر و تقریر میں تاثیر پیدا ہوتی ہے، خطاب میں زور اور تحریر میں قوت پیدا کرنے کے لیے اشعار کا استعمال بہت کارگر ہوتا ہے۔ پرانے زمانے کے لوگوں کو استاد شعرا کے ہزاروں اشعار یاد ہوا کرتے تھے اور وہ موقعے کی مناسبت سے ان اشعار کا استعمال بھی کیا کرتے تھے۔

'چمن چمن کے پھول' میں مختلف رنگ اور شاعروں کے شعر اس لیے دیے جاتے ہیں تاکہ بچے موضوع کی مناسبت سے اچھے اشعار یاد کریں اور اپنی تحریر و تقریر میں اشعار کا موزوں اور برمحل استعمال کرسکیں۔ (ادارہ)

سکوتِ شام مٹاؤ بہت اندھیرا ہے
سخن کی شمع جلاؤ بہت اندھیرا ہے

—فراق گورکھپوری

یوں جو تکتا ہے آسمان کو تو
کوئی رہتا ہے آسمان میں کیا

—جون ایلیا

رات کا وقت ہے سورج ہے مرا راہنما
دیر سے دور سے یہ کون بلاتا ہے مجھے

—شہریار

گفتگو تو نے سکھائی ہے کہ میں گونگا تھا
اب میں بولوں گا تو باتوں میں اثر بھی دینا

—معراج فیض آبادی

یہ پھول مجھے کوئی وراثت میں ملے ہیں
تم نے مرا کانٹوں بھرا بستر نہیں دیکھا

—بشیر بدر

ہر آدمی میں ہوتے ہیں دس بیس آدمی
جس کو بھی دیکھنا ہو کئی بار دیکھنا

—ندا فاضلی

مجھ کو چلنے دو اکیلا ہے ابھی میرا سفر
راستہ روکا گیا تو قافلہ ہوجاؤں گا

—وسیم بریلوی

بدعا اس نے مجھے دی تھی دعا دی میں نے
اس نے دیوار اٹھائی تھی گرا دی میں نے

—شہپر رسول

ہم کو آوارگی کس دشت میں لائی ہے کہ اب
کوئی امکاں ہی نہیں لوٹ کے گھر جانے کا

—احمد محفوظ

بات کرنے کا حسیں طور طریقہ سیکھا
ہم نے اردو کے بہانے سے سلیقہ سیکھا

—منیش شکلا

ننھے فنکار



رقیہ سلطان، درجہ ہشتم، عمارہ پبلک اسکول، جالے، دربھنگہ، بہار

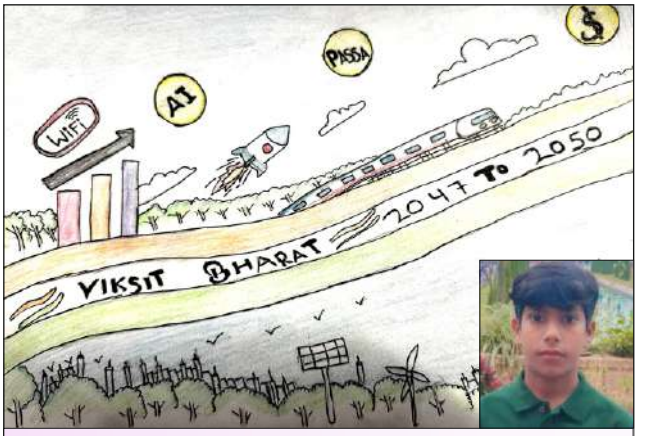


علی مسعود، درجہ ششم، کے وی انڈوز گنج، نئی دہلی



نقی راہی، درجہ ہشتم، قرطبہ لیڈرز اکیڈمی، کاشی باری، کشن گنج، بہار

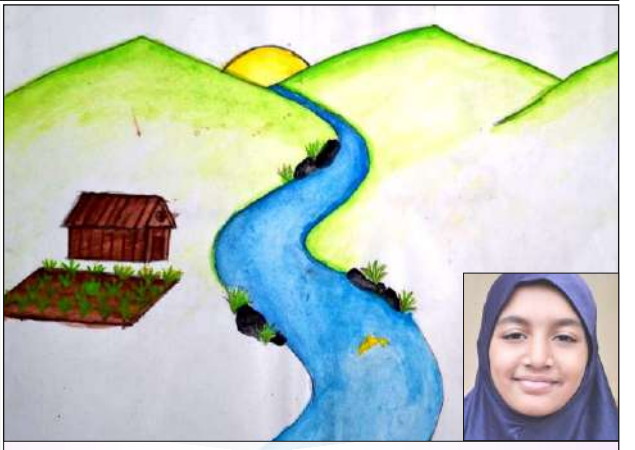

شرمین ثنا سید سالم، درجہ ششم، اقرا پبلک اسکول، جلگاؤں، مہاراشٹر

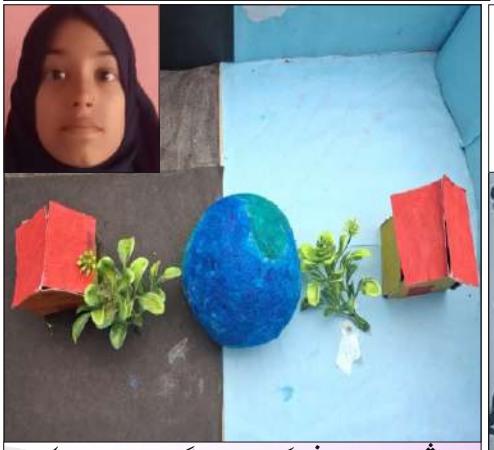

تمنا شیخ عمران، درجہ ہفتم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش



مازن ساجد اختر، اقرا پبلک اسکول، جلگاؤں، مہاراشٹر

ننھے فنکار



حذیفہ انعم شیخ محمد، سید پورہ بالا پور، ضلع اکولہ مہاراشٹر



احمد اعزاز میر، درجہ اوّل، آر پی اسکول، کاؤسہ، سرینگر

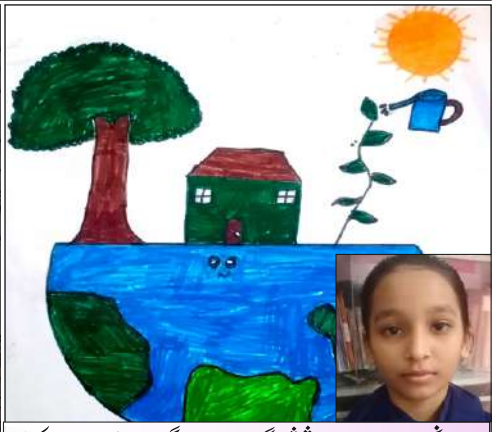

ماریہ انجم محمد جاوید، درجہ ششم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش




اقرا بانو سلمان خاں، درجہ ہشتم، گورنمنٹ اردو گرلز ہائر سیکنڈری اسکول
حریر پورہ، برہانپور، مدھیہ پردیش

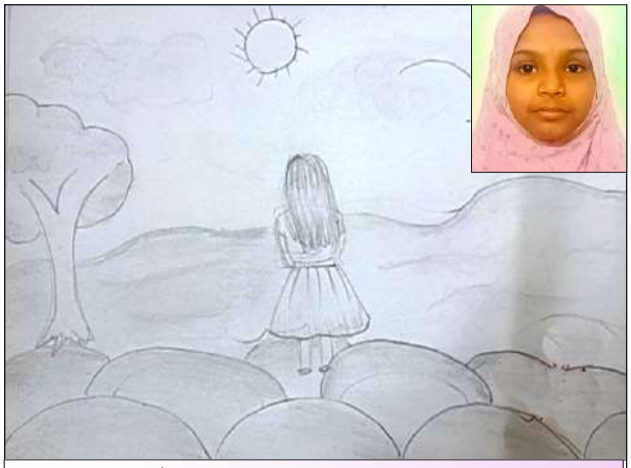

مومن زینب حامد، درجہ سوم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول، پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر



محمد عاصم نور محمد خان، درجہ چہارم، المنار پرائمری اینڈ ہائی اسکول
پوار بستی، چکھلی، پونہ، مہاراشٹر

# قلمکاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

**قلمکاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:**

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔ کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔ تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔ اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلمکار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, नवंबर 2026, वर्ष 14, अंक 11
BACHON KI DUNIYA Monthly, November 2026 Vol. 14, Issue: 11
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/10/2026
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

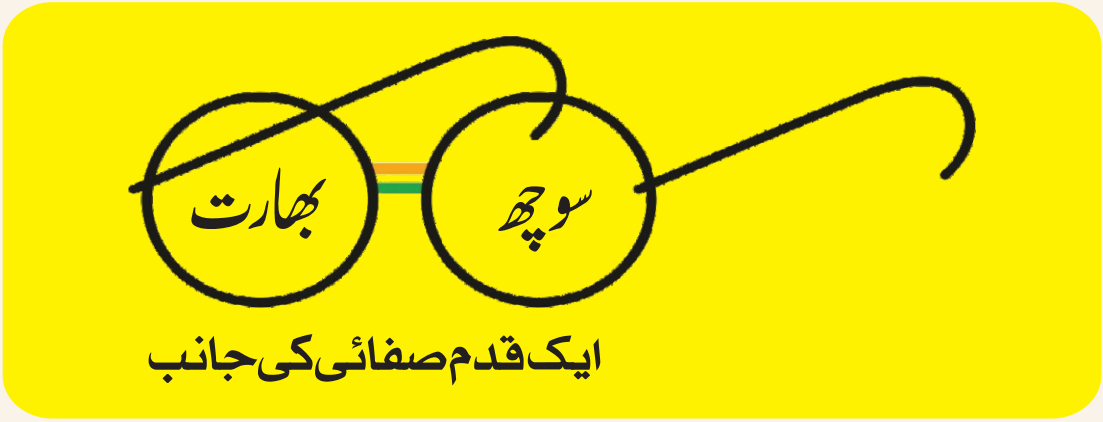


## بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں




خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.